مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی
مفتی الٰہی بخش اکیڈمی (کاندھلہ)

حضرت شیخ الحدیثؒ کے اجداد

صحیح نسب نامہ اور حالات

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، اور خانوادۂ حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی کا تعلق کاندھلہ (ضلع مظفر نگر یو۔پی) کے ایک معزز و ممتاز صدیقی خاندان سے ہے، جو حضرت شیخ نظام الدین بدایونی دہلوی کے نامور معاصر حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کی اولاد میں ہے مگر اس وقت تک غلطی سے حضرت شیخ قطب شاہ علوی کیرانوی سے منسوب کیا جاتا ہے۔ آئندہ صفحات میں اس خاندان کا صحیح نسب نامہ، اور اس نسب کے متعلق مشہور مگر بے اصل روایتوں کی تحقیق، اور حضرت شیخ الحدیث کے اجداد کا نسبتہً مفصل تعارف پیش کیا جا رہا ہے۔

تحقیق نسب

اس خاندان کا مشہور شجرۂ نسب، جس کی نقلیں اہل خاندان میں مروج ہیں، اور اس خاندان سے متعلق تمام تذکروں میں بھی موجود ہے، اس طرح ہے:

"حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، بن مولانا محمد یحییٰ، بن مولانا محمد اسمٰعیل،

ابن حکیم غلام حسین، بن کریم بخش، بن مولانا حکیم غلام محی الدین، بن مولانا محمد ساجد
بن مولانا فیض محمد، بن مولانا شاہ محمد شریف، بن حضرت مولانا محمد اشرف، بن مولانا
شیخ جمال محمد، بن شیخ نور محمد عرف بابن شاہ، بن مولانا بہار الدین، بن مولانا شیخ محمد
بن شیخ محمد فاضل، بن شیخ قطب شاہ۔

مگر شجرہ کی یہ ترتیب درست نہیں ہے۔ صحیح یہ ہے کہ شجرہ کے آخر میں مذکورہ دو شخصیتوں شیخ محمد فاضل، اور شیخ قطب شاہ کا اس خاندان سے تعلق نہیں ہے۔ صدیقیان کاندھلہ کے نسب نامہ میں یہ دونوں نام بلاشبہ الحاقی ہیں۔ قدیم دستاویزات اور راقم سطور کی معلومات کے مطابق خانوادۂ مولینا محمد اشرف جھنجھانوی حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کی اولاد میں سے ہے، اور اس کا صحیح سلسلۂ نسب اس طرح ہے:۔

مولانا محمد اشرف بن مولانا شیخ جمال محمد شاہ، بن شیخ نور محمد عرف بابن شاہ،
بن مولانا بہار الدین، بن مولانا شیخ محمد، بن مولانا کریم الدین مذکر، بن امام تاج مذکر،
بن امام حاج مذکر، بن حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی[1]

معروف شجرہ کے صحیح نہ ہونے کی وجوہات، صحیح شجرہ کے مآخذ، اس خاندان کو کچھ اور نسب ناموں سے وابستہ کرنے کی کوشش۔ ان سب پہلوؤں پر قدیم دستاویزات، قرائن اور نسب ناموں کی روشنی میں ضروری معلومات نذر قارئین ہیں:۔

---

[1] مولانا شیخ محمد سے قاضی ضیاء الدین سنامی تک یہ سلسلۂ نسب فرمان محمد بن فیروز شاہ تغلق مکتوبہ ۲۲ رجب سنہ ۷۹۳ھ کی پشت پر لکھا ہوا ہے۔ امام تاج، تاج الدین کا مخفف ہے۔ تاج الدین کے ایک صاحبزادے شیخ شہاب الدین تھے، ان کی اولاد کاکوری (لکھنؤ) میں آباد ہے۔ اس شاخ کے شجرہ کے لئے رجوع فرمایئے عباسیان کاکوری، محمد حسن عباسی ص۲۶۰ (لکھنؤ ۱۳۶۴ھ)

قاضی ضیاء الدین سنامی کے متعدد لائق صاحبزادے تھے، احمد علی خیر آبادی کا قول ہے:۔
"قاضی (ضیاء الدین سنامی) چندیں پسران لائق داشت۔ نام یکے زین العابدین، پسر شفقت قاضی معین الدین ایرجی" قصر عارفاں۔ مرتبہ ڈاکٹر آغا محمد باقر ص۱۸۱ (لاہور ۱۹۶۵ء)

(۱)

حضرت قاضی قطب الدین عرف شیخ قطب شاہ، جو اس وقت تک خانوادۂ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی و مولانا محمد اسمٰعیل جھنجھانوی کاندھلوی کے جدِ اعلیٰ لکھے جاتے ہیں، نویں صدی ہجری کے علماء میں ہیں۔ ان کے نام ایک فرمان مکتوبہ ۸۴۳ھ حاجی محمد محسن کاندھلوی (متوفی ۱۳۰۲ھ) کے پاس موجود تھا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ نے تحریر فرمایا ہے:۔

" ان (قطب شاہ) کے نام تغلق کا فرمان ۸۴۳ھ کا حاجی محسن کے پاس موجود ہے۔"[۱]

شجرہ علویان جھنجھانہ[۲] سے اس بیان کی ضمناً تصدیق ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ قاضی قطب الدین کیرانوی کو سلطان بہلول لودھی کے دور میں ۹ پرگنوں کا قاضی مقرر کیا گیا تھا۔[۳] لیکن اگر مذکورہ سن کتابت صحیح ہے تو یہ فرمان تغلق عہد حکومت کے بعد اور سلطان بہلول لودھی کے زمانے سے کچھ پہلے کا ہوگا۔ ۸۴۳ھ میں مبارک شاہ بن خضر خاں کا بھتیجہ محمد شاہ بن فرید خاں تخت نشین تھا۔[۴] غالباً دو بادشاہوں محمد بن فیروز شاہ تغلق اور محمد بن فرید خاں میں ناموں کی یکسانیت اور آبائی نسبت میں لفظی مماثلت کی وجہ سے ان دونوں میں التباس ہوا، اور اس غلط فہمی کی وجہ سے

---

[۱] "بیاض کبیر" تالیف حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ص۲۴ (فوٹو اسٹیٹ کاپی مملوکہ راقم سطور)

[۲] یہ شجرہ "صحیفۂ ابرار" (ترجمہ خیر البیان و ملفوظات رزاقیہ) مترجمہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی کیرانوی صدر شعبۂ اردو دلی یونیورسٹی، دہلی، کے آخر میں شامل ہے ص۵۳۵ تا ص۵۶۸ (مطبوعہ ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء) یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ یہ شجرہ ڈاکٹر تنویر صاحب کا مرتب کیا ہوا نہیں ہے۔ ناشر کا اضافہ ہے اور ڈاکٹر صاحب بھی اس سے متفق نہیں ہیں۔

[۳] شجرہ ملحقہ صحیفۂ ابرار ص۵۳۶

[۴] تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ فرشتہ، ملا محمد قاسم ہندو شاہ فرشتہ ص۱۷۹ جلد اول (کان پور ۱۳۰۱ھ) اور منتخب التواریخ، ملا عبد القادر بدایونی، اردو ترجمہ محمود احمد فاروقی ص۱۱۲ - ۱۹۶ (لاہور ۱۹۶۲ء)

شیخ قطب شاہ کے نام فرمان مکتوبہ ۷۳۳ھ کو فرمان محمد بن فیروز شاہ تغلق مکتوبہ ۷۹۰ھ خیال فرما کر حضرت نے اس جگہ اس کا حوالہ ذکر فرما دیا ہے۔ مگر حاجی محمد محسن کی فرامین کے اس امتیاز پر نظر تھی اسی لیے حاجی محسن مرحوم نے خاندان کے مفصل نسب نامہ[1] میں شیخ قطب شاہ اور اس فرمان مکتوبہ ۷۳۳ھ کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے۔

(۲)

قاضی قطب الدین کیرانوی[2] عرف شیخ قطب شاہ، اور شیخ محمد فاضل کے نام شجرۂ خاندان مفتی الٰہی بخش و مولانا محمد اسمٰعیل کے شجرہ میں کس طرح شامل ہوئے، اس کی تفصیل یہ معلوم ہوتی ہے کہ مولانا محمد اشرف جھنجھانوی کے والد ماجد تین بھائی تھے۔ مولانا شیخ جمال محمد، مولانا کمال محمد اور شیخ منصور۔ موخر الذکر یعنی شیخ منصور جھنجھانہ سے ترک سکونت کر کے کیرانہ آ گئے تھے ان کے دو صاحبزادے ہوئے ابو محمد اور محمد فاضل[3]۔ محمد فاضل کے ایک صاحبزادے تھے روشن علی، ان کے تین لڑکے ہوئے ـــ قاسم علی، مردان علی اور فضل علی ـــ مگر خاندان میں مروج شجرہ میں (حاجی محمد محسن کا شجرہ مستثنیٰ ہے) شیخ روشن علی، اور شیخ محمد کو حقیقی بھائی، اور محمد فاضل کا صاحبزادہ لکھا گیا ہے، اور بعد کا تمام سلسلہ شیخ محمد سے وابستہ دکھایا گیا ہے۔

---

[1] یہ شجرہ کئی سال کی مسلسل محنت و تحقیق کے بعد سینکڑوں فرامین و دستاویزات کی روشنی میں، ہر اندراج کے مآخذ اور تفصیلات کے ساتھ ۱۳۶۲ھ میں مرتب ہوا ہے اور دو رجسٹروں کے ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ شجرہ ہمارے ذخیرہ کتب میں محفوظ ہے اور راقم سطور نے اس سے رہنمائی حاصل کی ہے۔

[2] قاضی قطب الدین عرف قطب شاہ کے صرف ایک صاحبزادے محمد سعید تھے، ان کی اولاد کی تفصیل کے لیے شجرہ علویان جھنجھانہ ملاحظہ ہو۔

[3] بی بی لاڈو بنت محمد فاضل بن شیخ منصور، بن شیخ بابن، اور شیخ حسن ولد ابو محمد بن شیخ منصور ساکن کیرانہ کی طرف سے "ردبیگھہ پنج بسوہ زمین، خرید مولانا جمال بابرادران فرزندان میاں بابن" کا بیعنامہ بنام مولانا محمد شریف جھنجھانوی۔ مکتوبہ ۱۰ جمادی الاولیٰ ۱۰۳۸ھ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔

اس اندراج سے غلطی کی بنیاد صاف معلوم ہو رہی ہے۔

معروف شجرہ کے سب سے پہلے مرتب یا تو شیخ منصور سے واقف نہیں تھے، یا غلطی سے ان کا نام شجرہ میں درج ہونے سے رہ گیا تھا اور ناقل شجرہ نے ناواقفیت کے سبب سے ابو محمد اور محمد فاضل کو ایک مرکب نام یعنی ابو محمد کو محمد فاضل کی کنیت خیال کرتے ہوئے شیخ محمد کے بعد محمد فاضل کے نام کا اضافہ کر دیا۔ اس کے بعد کسی اور ناقل نے اس شاخ کی کیرانوی نسبت کی وجہ سے قاضی قطب قطب الدین عرف قطب شاہ کا اضافہ کیا، اور یہی شجرہ اور اس کی نقلیں اہل خاندان کے سامنے رہیں، اور اس شجرہ پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کی وجہ سے کبھی قدیم دستاویزات سے رجوع نہیں کیا گیا، اسی لئے اس کا غلط و بے اصل ہونا بھی معلوم نہیں ہوا۔

صحیح یہی ہے کہ مولانا قاضی شیخ محمد، حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کے پرپوتے ہیں۔ قاضی ضیاء الدین تک سلسلہ نسب فرمان محمد بن فیروز شاہ تغلق مکتوبہ ۷۹۳ھ کے حوالہ سے گزر گیا ہے مگر ایک بار پھر تازہ کر لیجئے۔

"مولانا محمد اشرف، بن مولانا جمال محمد بن شیخ نور محمد عرف بابن شاہ، بن مولانا بہاء الدین شاہ، بن مولانا شیخ محمد بن مولانا کریم الدین مذکر، بن امام تاج مذکر، بن امام حاج بن قاضی ضیاء الدین سنامی" اور اس کے بعد دونوں شجرے بیک نظر ملاحظہ ہوں۔

۱۔ صحیح شجرہ جو مطابق دستاویزات ہے:-

۱۔ قاضی کریم الدین مذکر

۲۔ مولانا شیخ محمد

۳۔ مولانا قاضی بہاء الدین

۴۔ نور محمد عرف بابن شاہ

۵۔ مولانا جمال محمد — مولانا کمال محمد — شیخ منصور

۶۔ مولانا محمد اشرف (بن جمال محمد) — ابو محمد، محمد فاضل (بن شیخ منصور)

۷۔ مولانا محمد شریف (بن محمد اشرف) — روشن علی (بن محمد فاضل)

۸۔ مولانا فیض محمد (جد مولانا محمد اسمٰعیل) — مولانا عبد القادر (جد مفتی الٰہی بخش) (بن محمد شریف) — قاسم علی، مردان علی، فضل علی (بن روشن علی)

۲۔ شجرہ جو غلط مگر معروف و مطبوعہ ہے :۔

۱۔ شیخ قطب شاہ

۲۔ شیخ محمد فاضل

۳۔ مولانا شیخ محمد — شیخ روشن علی اول

۴۔ مولانا شیخ بہار الدین — قاسم علی — مردان علی

۵۔ نور محمد عرف بابن شاہ

۶۔ مولانا جمال محمد

۷۔ مولانا محمد اشرف

۸۔ مولانا محمد شریف

۹ مولانا فیض محمد (جد مفتی الٰہی بخش) — حکیم عبد القادر (جد مولانا اسمٰعیل)

سر سید احمد خاں کی ایک غیر مطبوعہ تحریر سے بھی خاندان مفتی الٰہی بخش کے مولانا قاضی شیخ محمد کی اولاد میں ہونے کی تائید ہوتی ہے۔ سر سید احمد مولانا علاء الحسن کاندھلوی (م ۱۳۴۱ھ) کو عطا کئے گئے سرٹیفکیٹ میں لکھتے ہیں :۔

" یہ خاندان حضرت ابو بکر صدیق خلیفہ اوّل رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نسل میں ہے (اب سے) پانسو برس گزرے بعہد سلطنت فیروز شاہ تغلق یہ خاندان ہندوستان کے اس حصہ میں آکر آباد ہوا۔ یہ خاندان اب تک ان اراضیات پر قابض ہے جو ان کو بموجب اصلی فرمان رجب سنہ ۷۹۳ھ عطا کردہ محمد شاہ تغلق جس کا زمانۂ سلطنت بہت قلیل رہا ہے عطا کئے گئے ہیں "۔ ۱؎

۱؎ یہ سرٹیفکیٹ ۱۸۹۳ء میں سر سید احمد خاں کے حسب ہدایت جسٹس سید محمود نے تحریر کیا، اور اس پر تصحیح اور اضافات غالباً سر سید احمد کے قلم سے ہیں۔ یہ مسودہ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے۔ میر ولایت حسین مولوی علاء الحسن کو یہ سرٹیفکیٹ عطا کرنے پر جسٹس سید محمود سے سخت خفا ہیں۔ معلومات کے لئے ملاحظہ فرمایئے : آپ بیتی میر ولایت حسین، یا ایم۔ اے۔ او کالج کی کہانی ص ۱۱۰-۱۱۱ (علی گڑھ ۱۹۷۰ء)

سرسیّد احمد کے گھرانے کے خانوادۂ مفتی الٰہی بخش سے بہت پرانے اور کئی نسلوں سے تعلقات تھے، سرسیّد احمد نے اسی سند میں لکھا ہے:۔

" اس خاندان اور میرے خاندان سے کئی نسلوں سے بہت زیادہ تعارف رہا ہے۔"

اور خود سرسید کو اسی خاندان کے ایک ممتاز فرد مولانا نورالحسن کاندھلوی سے تلمذ تھا[1]، اس لیے سرسیّد کا مذکورہ بالا بیان بہت اہم ہے اور یقیناً معتبر اطلاعات پر مبنی ہوگا۔

(۳)

اس خاندان کے متعلق ایک اور بے سند روایت یہ مشہور ہے کہ اس کا سلسلۂ نسب حضرت امام فخرالدین رازی کے واسطہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے، مگر یہ روایت بھی درست نہیں ہے۔ مولانا احتشام الحسن کاندھلوی لکھتے ہیں:۔۔۔۔

اعلم ان سلسلۃ نسبہ تصل الی الامام فخرالدین الرازی من جہۃ الجدات والامام من جہۃ الاجداد فلیس فیہ الامام المذکور[2]	جان لو کہ ان (مفتی الٰہی بخش) کا سلسلہ نسب ننہال کی طرف سے امام فخرالدین رازی تک پہونچتا ہے، مگر ددھیال کے شجرہ میں امام موصوف نہیں ہیں۔

حضرت امام رازی سے خاندانی نسبت کی پہلی اطلاع مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان کاندھلوی (م ۱۳۲۵ھ) کی تحریر سے ملتی ہے۔ مولانا سلیمان کی اصل تحریر تو میری نظر سے نہیں گزری مگر اس کا فارسی ترجمہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:۔

بدانکہ سلسلۂ نسب مفتی صاحب رح واضح ہو کہ حضرت مفتی صاحب رح کا

---

[1] سرسید کے مولانا سے تلمذ و استفادہ کی تفصیل اور مولانا کے نام سرسیّد کے خطوط کے لئے رجوع فرمایئے حیات سرسید کا ایک گم شدہ ورق۔ از نورالحسن راشد، ماہنامہ 'آج کل' دہلی۔ مئی ۱۹۷۵ء

[2] تذکرہ، مختصر شرح قصیدہ بانت سعاد از حضرت مفتی الٰہی بخش صلا (دہلی ۱۳۵۴ھ)

به امام رازی، و حضرت صدیق اکبرؓ می رسد[1]

سلسلۂ نسب حضرت امام رازی اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے

غالباً مولانا سلیمان نے یہ خیال اس شجرہ سے اخذ کیا ہے جو مولانا امام الدین کاندھلوی (م ۱۲۰۰ھ) کی تالیف رسالۂ نسب اربعہ کے آخری صفحہ پر لکھا ہوا ہے۔ مگر تعجب ہے کہ مولانا نے اس شجرہ کی وجہ سے مفتی الٰہی بخش کے حضرت امام رازی کی اولاد میں ہونے کا ذکر فرما دیا، اور یہ خیال نہیں کیا کہ کاتب شجرہ نے اس پر "نسب جد فاسد" کا عنوان دیا ہے، جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ شجرہ ننھیال کا ہے اور نسب کے معاملہ میں مادری سلسلہ پر اعتماد نہیں کیا جاتا ہے، یہاں یہ امر بھی قابل ذکر ہے کہ "نسب اربعہ" پر تحریر نسب نامہ حضرت مفتی الٰہی بخش کی والدہ ماجدہ کا نہیں ہے اور بعض شواہد کی وجہ سے راقم سطور کو اس میں بھی شبہ ہے کہ یہ شجرہ مولانا امام الدین کی والدہ محترمہ کا ہو، کیونکہ حضرت مفتی الٰہی بخش کی والدہ محترمہ کا نام عظمت النساء اور مولانا امام الدین کی والدہ صاحبہ کا نام خانم ہے اور جو سلسلۂ نسب نسب اربعہ پر نقل ہوا ہے وہ مفتی الٰہی بخش اور مولانا امام الدین کی سوتیلی والدہ (مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کی تیسری اہلیہ) بی بی ماہن کا ہے اور نسب نامہ یا فرائض کی تحریرات سے ان کی کسی اولاد کا سراغ نہیں ملا ہے۔

اور اگر مفتی الٰہی بخش کی والدہ ماجدہ کا سلسلۂ نسب بھی محترمہ بی بی ماہن کی شاخ سے وابستہ ہو تو اس وقت بھی حضرت مفتی صاحب کو امام رازی کی اولاد میں ذکر کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ شجرۂ منقول بر نسب اربعہ کے آخری نام اس طرح ہیں:۔

"قاضی ابوبکر بن امام فخر الدین بن امام قطب الدین بن میر احمد رازی بن سلطان

---

[1] تذکرہ مفتی الٰہی بخش، مولانا احمد حسن کانپوری ص۹، رسائل اختتام مثنوی مولانا روم، مطبوعہ کانپور ۱۳۱۹ھ)
یہ تذکرہ مولانا سلیمان کی تالیف حالات مفتی الٰہی بخش کا فارسی ترجمہ ہے، اصل اردو نسخہ مولف کے قلم سے ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے مگر اس کے کچھ اوراق ضائع ہو چکے ہیں۔
حضرت امام رازی کی اولاد میں ہونے کی روایت نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحی حسنی ص۷ جلد ۷ (حیدرآباد ۱۳۷۸ھ) میں بھی نقل ہوئی ہے، غالباً اس کا ماخذ یہی تذکرہ مشمولہ اختتام مثنوی ہے۔

ابوسعید۔"
مگر حضرت امام فخر الدین رازی، مؤلف تفسیر کبیر (م ۶۰۶ ھ) کے والد ماجد کا نام عمر، اور لقب ضیاء الدین ہے، اور سلسلۂ نسب اس طرح ہے "محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین"[۱] حضرت امام کا صحیح سلسلۂ نسب معلوم ہو جانے کے بعد مزید کسی وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

(۴)

شجرۂ علویان جھنجھانہ میں خاندان مولانا محمد اشرف جھنجھانوی کو علوی، اور مفتی ابوسعید رازی کی اولاد میں لکھا ہے اور مرتب شجرہ نے مفتی الٰہی بخش کے والد ماجد مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کے کاندھلہ منتقل ہونے کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی لکھا ہے کہ

"اس کے بعد شیخ الاسلام نے اپنے حصہ کی کل جدی جائداد جو جھنجھانہ میں تھی، اپنے بھائیوں محمد شاکر وغیرہ کو دے دی۔ اس تقسیم کے بعد مولانا محمد بخش عرف شیخ الاسلام نے مستقل طور پر کاندھلہ کی سکونت اختیار کر لی[۲] آپ کی دختر بی مہرو کی شادی شیخ کریم الدین بن شیخ خیر الدین تھانوی سے ہوئی، اس طرح یہ حضرات اور ان کی اولاد کاندھلہ کے صدیقی خاندان میں رشتہ داری اور سکونت کی وجہ سے اپنے آپ کو صدیقی لکھنے لگے۔"[۳]

---

[۱] رجوع فرمایئے الفوائد البہیۃ مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلی ص ۹۱ (لکھنؤ ۱۲۹۳ھ) اور الاعلام، خیر الدین زرکلی ص ۳۱۳ ج ۶ (بیروت ۱۹۷۵ء)

[۲] یہ اطلاع بھی درست نہیں ہے، صحیح یہ ہے کہ اس خاندان کی یہ شاخ مولانا محمد عرف شیخ الاسلام کی ولادت سے پہلے جھنجھانہ سے ترک سکونت کر کے کاندھلہ آ گئی تھی، مولانا محمد شیخ الاسلام کی دو مفصل تحریرات اس کے پس منظر اور وجوہات پر مشتمل ہمارے یہاں محفوظ ہیں، اور ان تحریرات پر ۲۸۔۳۰ شہادتیں بھی ثبت ہیں، ان دونوں تحریروں میں مولانا شیخ الاسلام نے وضاحت کی ہے کہ تولدمن سائل در قصبہ کاندھلہ اتفاق افتاد۔"

[۳] شجرہ طبقۂ صحیفہ ابرار ص ۵۶

اس عبارت سے مرتب شجرہ نے یہ تاثر دیا ہے کہ اس خاندان کے اکابر نے کاندھلہ میں موجود حقیر جائداد حاصل کرنے کے لئے اپنی اصل نسبت ترک کرکے صدیقی لکھنا شروع کیا تھا، مگر یہ خیال غلط اور بہتان کے مترادف ہے، ہم اس رائے کو درست سمجھتے، اگر صدیقی لکھنے میں مولانا محمد عرف شیخ الاسلام، اور ان کے اخلاف منفرد ہوتے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مولانا فیض محمد، ان کے صاحبزادے مولانا محمد ساجد، اور ان کے اہل خاندان جو ہمیشہ جھنجھانہ میں رہے اور حکیم شریف الدین جھنجھانوی کی اولاد جس میں مولوی وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی (ایڈیٹر ماہنامہ لسان العصر، و زمیندار لاہور) بھی شامل ہیں خود کو صدیقی لکھتے تھے[۱] حالانکہ ان میں متعدد افراد مولانا شیخ الاسلام سے پہلے ہیں، اور جو بعد کے ہیں ان کی کاندھلہ میں کوئی عزیزداری نہیں تھی، اس کی وجہ یہی ہے کہ یہ پورا سلسلہ شیخ نور محمد عرف بابن شاہ کے ذریعہ سے حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی سے منسلک ہے اور قاضی صاحب کا صدیقی ہونا مورخین اور ماہرین انساب کے نزدیک معتبر ہے۔

(۵)

خانوادۂ مولانا محمد اشرف جھنجھانوی کا خاندان علویان سے نسبی رابطہ نہ ہونے کی تفصیلات گزر گئی ہیں، مگر مشائخ کاندھلہ کے پہلے ایڈیشن[۲] اور صحیفۂ ابرار میں منقول اہل جھنجھانہ کے صدیقی و علوی خاندان کے مشترک نسب نامہ سے غلط فہمی کا بہت امکان ہے اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ جھنجھانہ کے علوی خاندان کے معروف و مطبوعہ شجرہ کے متعلق بھی اپنی ناچیز معلومات یہاں پیش کردی جائیں۔

---

[۱] مثلاً ملاحظہ ہو رسالہ اختلاف اللسان، وجاہت حسین وجاہت جھنجھانوی (لاہور ۱۹۰۶ء)

[۲] مولانا احتشام الحسن کاندھلوی نے مشائخ کاندھلہ ص ۱۰ (طبع اول۔ دہلی) میں حضرت ابوبکر صدیق تک سلسلۂ نسب درج کیا ہے، اگرچہ بعینہٖ وہی شجرہ ہے جو صحیفۂ ابرار میں شامل ہے اور ان اطراف کے علوی گھرانوں میں مروج و مستعمل ہے۔ مولانا نے اس میں صرف یہ ترمیم فرمائی ہے کہ میر حسن ریاسی بن ابوالقاسم محمد الاکبر کو حضرت ابوبکر صدیق رضی سے وابستہ کردیا ہے مگر مولانا نے اس رائے اور اندراج سے رجوع فرما لیا تھا۔ مشائخ کاندھلہ کے بعد کے ایڈیشنوں میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔

خانوادۂ حضرت شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی (م ۹۴۹ھ) کے نسلاً علوی ہونے کی سب سے پہلی اساسی روایت خیر البیان تالیف جمال محمد مزکی بن حضرت شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی (مولفہ ۱۰۲۴ھ تا ۱۰۳۴ھ) کی ہے جو خیر البیان کے قدیم ترین مخطوطے مکتوبہ ۱۰۹۰ھ کا جو اقتباس صحیفۂ ابرار (ترجمہ خیر البیان) میں نقل کیا گیا ہے اس میں بھی "جمال محمد بن عبد الرزاق العلوی القادری" تحریر ہے[1] مگر ہمارے ذخیرہ میں اہل جھنجھانہ کا ایک بیع نامہ مکتوبہ ۱۰۲۹ھ محفوظ ہے، اس دستاویز پر شاہ جمال محمد مزکی کی مہر اور ان کے صاحبزادے مزکی محمد کی دستخط، اور اس خاندان کی متعدد ممتاز شخصیتوں شاہ نجم الدین مزکی شاہ ابو الحیات مسلم، شاہ بختیار، عبد الرحمٰن عبد المومن کے دستخط یا مہریں ثبت ہیں[2] ایک مہر کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے صاف نہیں پڑھی گئی، جو حروف سمجھ میں آئے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مہر شاید شاہ عبد الرزاق کے دوسرے صاحبزادے افضل جھنجھانوی (مولف بکٹ کہانی) کی ہو[3] مگر ان میں سے کسی بھی مہر یا دستخط میں علوی نسبت مذکور نہیں ہے، دو شاہدوں الواقع کذالک مرتضیٰ میراں کتبہ بخطہ، اور سبحان میراں کتبت بخطہ کاتبین کے سید یا علوی ہونے کا خیال ہوتا ہے، لیکن ان دونوں کا شجرۂ علویان جھنجھانہ میں کوئی ذکر نہیں ہے۔ خانوادہ شاہ عبد الرزاق کے کسی بھی دستخط یا مہر میں علوی نسبت کا ذکر نہ ہونے سے شبہ ہوتا ہے کہ مخطوطہ خیر البیان میں علوی نسبت کا اندراج کسی ناقل کاتب کا اضافہ ہو۔؟

ہمارے خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ خود حضرت شاہ عبد الرزاق[4] اور ان کے قریب العہد و معاصر تذکرہ نگاروں[5] نے بھی خاندان و نسب کا کوئی ذکر نہیں کیا ہے، اور شاہ عبد الرزاق کے

---

[1] صحیفہ ابرار ص۱۱ مذکورہ بالا مخطوطہ آصفیہ لائبریری حیدر آباد میں محفوظ ہے۔

[2] ان شخصیات کے متعلق معلومات کے لئے ملاحظہ فرمائیے، شجرۂ ملحقہ صحیفہ ابرار ص۳۶ تا ص۴۲ اور مقدمہ صحائف معرفت مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد صاحب علوی ص۵ (جھنجھانہ ۱۳۸۸ھ)

[3] افضل جھنجھانوی، اردو ادب و تاریخ کی قدیم ترین اور ناقابل فراموش شخصیت ہیں تفصیلات کے لیے مراجعت کیجئے پنجاب میں اردو، پروفیسر محمود خاں شیرانی، اور بکٹ کہانی افضل جھنجھانوی مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی

[4] صحائف معرفت، شاہ عبد الرزاق جھنجھانوی۔ اردو ترجمہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی ص۲۳

[5] ملاحظہ ہو: اخبار الاخیار، شیخ عبد الحق محدث دہلوی ص۲۷۱-۲۷۹ (احمدی دہلی، ۱۲۷۰ھ) آئین اکبری ابو الفضل ص۲۱۳

744 ترتیب
Hardayal Municipal Public Library, Delhi
Acc. No. 19522 ... 17.8.86 ...

مزار پر کندہ کتبات میں بھی خاندان و نسب کی جانب کوئی اشارہ نہیں ہے بلکہ[1]

اس خاندان کے تمام قلمی اور قدیم ترین مطبوعہ شجرہ کے نسخوں میں شیخ ابوسعید اور ان سے اوپر کے چار ناموں (جن کی ترتیب میں اختلاف ہے) کے ساتھ سلطان کا لاحقہ موجود ہے۔ مثلاً سلطان ابوسعید، سلطان اسحٰق اور سلطان محمد شریف، اور ایک نام جس پر تمام قلمی اور مطبوعہ نسخے متفق ہیں سلطان فرخ شاہ کا ہے مگر اس ترتیب سے شاہان عراق کا کوئی سلسلہ راقم سطور کو معلوم نہیں ہے۔

سلطان ابوسعید نامی دو معروف حکمراں سلطان ابوسعید بن اولجائیتو خاں خدا بندہ، اور سلطان ابوسعید بن محمد بن میراں شاہ بن تیمور گزرے ہیں مگر شاہ ابوسعید رازی کا ہندوستان میں ورود ۶۰۰ھ سے پہلے بیان کیا جاتا ہے[2] جو ان سلاطین کے عہد سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا ہے، تاہم سلطان ابوسعید بن محمد بن میراں بن تیمور، اور شجرۂ علویان میں مذکور سلطان ابوسعید بن مرجان شاہ[3] میں لفظی مناسبت اور اشتراک کی وجہ سے اس پر غور و فکر کی ضرورت ہے، مگر اس نسب کے بعد علوی نسبت کیونکر درست ہو سکتی ہے؟

ایک اور نام جو اختلاف ترتیب کے ساتھ تمام نسخوں میں موجود ہے سلطان فرخ شاہ کا ہے، مگر معروف فرخ شاہ فاروقی ہیں، حضرت بابا فرید گنج شکر، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت حاجی امداد اللہ اور حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی انہی کی اولاد میں ہیں[4] ان فرخ شاہ

---

[1] یہ کتبات شاہ عبدالرزاق کے صاحبزادگان کی نگرانی میں نصب ہوئے ان کے متن اور تفصیلات کے لئے دیکھئے صحائف معرفت صفحہ ۵۵۔۵۹

[2] ملفوظات رزاقیہ بہ تمہید از مولوی اشفاق حسین جھنجھانوی صفحہ ۲ (فیروز پور ۱۳۰۳ھ)

[3] از شجرۂ مکتوبہ (۱۲۰۰ھ) بر صفحۂ آخر رسالۂ نسب اربعہ، مولانا امام الدین کاندھلوی۔

[4] تفصیلات کے لئے رجوع کیجئے، مرآۃ الانساب صفحہ ۳۰، اشرف السوانح (سوانح حضرت تھانوی) خواجہ عزیز الحسن مجذوب صفحہ ۱۴ ، جلد اول (دہلی ۱۳۵۴ھ)۔ اشرف السوانح صفحہ ۱۱۶ تا ۱۲۱ جلد سوم (لکھنؤ ۱۳۵۷ھ) حضرت مجدد الف ثانی، مولانا زوار حسین شاہ صفحہ ۲۵ تا ۳۴ (کراچی ۱۳۹۲ھ) مقامات خیر (سوانح شاہ ابوالخیر) مولانا زید ابوالحسن فاروقی صفحہ ۳۴ تا ۳۳ (دہلی ۱۹۰۵ء)

کے علاوہ کوئی اور شاہ فرخ جن کا سلسلہ ایساد صحیح ہو، کتب انساب میں مذکور نہیں ہیں۔

علویان جھنجھانہ کا سلسلۂ نسب حسن جاسی یا دیاسی (؟) بن محمد بن الحنفیہ کے واسطے سے حضرت علی رضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے مگر علمائے انساب نے تصریح کی ہے کہ:-

"سوائے جعفر بن محمد اور علی بن محمد کے محمد بن حنفیہ کے کسی بیٹے کی اولاد موجود نہیں ہے۔" لے

نسب نامہ علویان جھنجھانہ کے آٹھ (قلمی) (مکتوبہ سنہ ۱۲۰۰ھ تا سنہ ۱۳۵۶ھ) اور چار مطبوعہ نسخے راقم سطور کے سامنے ہیں، ان میں مفتی ابوسعید قادری سے محمد بن حنفیہ تک ۱۸ سے ۲۵ تک واسطے مذکور ہیں، اور ناموں کی ترتیب میں بھی یکسانیت نہیں ہے۔ اور ایسا کوئی قرینہ بھی موجود نہیں جس کی بنیاد پر کسی ایک کو صحیح قرار دیا جاسکے۔

مولانا قاضی شیخ محمدؒ کا کاندھلہ میں تقررؒ

حضرت قاضی ضیاء الدین سنامی کے پرپوتے، مولانا کریم الدین ذکرؒ، مراسم دینی کی نگہبانی اور امامت کے لئے کاندھلہ میں متعین تھے، اور رجب سنہ ۷۹۳ھ سے پہلے وفات پاچکے تھے، اور ان کے صاحبزادے مولانا قاضی شیخ محمد کاندھلہ ہی میں مقیم تھے، اور جب سلطان ابوالفتح محمد شاہ بن فیروز شاہ تغلق کا ۲۲ رجب سنہ ۷۹۳ھ میں کاندھلہ نزول ہوا تو سلطان نے ایک فرمان

لے حاشیہ ترجمہ منتخب التواریخ۔ ملا عبدالقادر بدایونی، ترجمہ محمود احمد فاروقی ص ۱۶۳ (لاہور ۱۹۶۲ء) بحوالہ عمدۃ المطالب فی انساب آل ابی طالب۔ نیز ملاحظہ ہو تحقیق الانساب، محمود احمد عباسی امروہوی ص ۱۲۵-۱۲۶، ماہنامہ اصلاح کھجوہ بہار ص ۲۹ جلد ۲۵ شمارہ اول، اور المعارف لابن قتیبہ ص ۹۵ تحقیق محمد اسمٰعیل عبداللہ انصاری (قاہرہ ۱۳۵۳ھ)۔

ےہ حسام عبرت منظوم، منشی امداد علی تھانوی ص ۵ (بریلی ۱۳۲۲ھ) نور محمدی (سوانح میاں جیو نور محمد جھنجھانوی) جناب نسیم احمد علوی ص ۳۳ (طبع سوم) حالات مشائخ کاندھلہ ص ۱۰ (طبع اول) شجرہ مشمولہ صحیفہ ابرار۔

جاری کر کے مولانا شیخ محمد کو ان کے والد ماجد کی جگہ پر مقرر و متعین کیا۔ اس موقع پر جو فرمان جاری ہوا تھا اس کی ضروری عبارت حسب ذیل ہے:

"چوں حضرت فلک رفعت درگاہ عالی پناہ، آسمان جاہ بادشاہانہ، ماحدیث کہ بر ظہر فرمانِ ہمایوں اعلیٰ مسطور است، بموقف عرض رسانیدند، ازراہ وفور مرحمت ثبت شد۔

عاطفت خسروانہ فرمودہ امر باصحاب مناصب دولت علی فرمان، وامر علیہا وکارکنان شق مسائل دولت و معاملہ کاندھلہ[۱] شیخ امام افضل تعالیٰ المذکور آں از نقل فرمین بموجب حجتہا پدر امام محمد، در قصبہ تعیین داشت، واو برحمت حق پیوستہ مگر آں جملہ تعالیٰ المذکور فرمان از نقل فرمین مذکور ر ؟ ؟ محمد پسر او مقرر و مستقر گیرند، وحکم فرمان مثبت شد۔"[۲]

مظفر نگر گزیٹیر[۳]، حالات مشائخ کاندھلہ[۴]، اور کاندھلہ کی شخصیات و تاریخ سے متعلق جملہ کتابوں میں فرمان متعلق مکتوبہ رجب ۹۹۳ھ کے حوالے سے تحریر ہے کہ سلطان نے ایک مسجد

---

[۱] اس فرمان (مکتوبہ ۲۲ رجب ۹۹۳ھ) میں اور اس کے بعد سے جمادی الاولیٰ ۱۰۴۲ھ تک تحریر شدہ تمام فرامین و دستاویزات میں کادھلہ (بغیر نون کے) لکھا ہوا ہے، اس کے بعد کی لکھی ہوئی صرف ایک تحریر (فرمان عالمگیر مکتوبہ ۲۵ محرم ۱۱۰۲ھ) میں کادھلہ ملتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام تحریرات میں کاندھلہ ہے ــــ اچانک کادھلہ سے کاندھلہ کیوں ہوا، کچھ سراغ نہیں ملتا۔

[۲] اس فرمان کو اس کے نادر و کمیاب رسم خط کی وجہ سے صاف پڑھنا اور استفادہ کرنا بہت دشوار ہے راقم سطور نے اس کے متن کے لئے اس نقل پر اعتماد کیا ہے جو اس فرمان کی پشت پر لکھی ہوئی ہے۔ یہ نقل تقریباً پچاس سال پہلے متعدد اہل علم اور اصحاب ذوق کی مدد سے کرائی گئی تھی، اور راقم سطور کو اس کا بھی اعتراف ہے کہ وہ منقولہ بالا عبارت کے بعض الفاظ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر رہا ہے۔

[۳] Muzaffar Nagar Gazetteer Page No 278 Allahabad 1903

[۴] حالات مشائخ کاندھلہ ص ۱۵

تعمیر کرنے کا حکم دیا، اور قاضی شیخ محمد کو ۲ ہزار بیگھہ زمین کا فرمان عطا فرما کر کاندھلہ میں متعین کیا مگر اس فرمان مکتوبہ ۲۲ رجب ۹۳۲ھ سے قاضی شیخ محمد کو قاضی کریم الدین مذکر کے قائم مقام مقرر کرنے کی اطلاع تو ملتی ہے لیکن اس فرمان میں عطائے اراضی اور تعمیر مسجد کا کوئی ذکر نہیں ہے مذکورہ بالا عبارت کے علاوہ تمام فرمان سلطان کے القابات و خطابات سے پر ہے. ممکن ہے کہ عطائے اراضی اور تعمیر مسجد کا واقعہ اس سے پہلے ہوا ہو، یا اسی وقت دو فرمان جاری ہوئے ہوں مگر اب کوئی فرمان جس میں اراضی اور تعمیر مسجد کا ذکر ہو، راقم سطور کے علم میں نہیں ہے.

مولانا شیخ محمد کے پوتے شیخ نور محمد عرف بابن شاہ کاندھلہ سے ترک وطن کر کے جھنجھانہ چلے گئے تھے، اس ترک وطن کی وجوہات و تفصیلات معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے تاہم بابن شاہ کے نام ۷۰،۴ بیگھہ آراضی کا ایک فرمان مکتوبہ ۹۸۱ھ حاجی محمد محسن کاندھلوی کی نظر سے گزرا تھا. حاجی محسن مرحوم نے نسب نامہ خاندان میں اس کا حوالہ درج کیا ہے، مگر اس وقت اس فرمان کی نسبت کوئی اطلاع نہیں ہے.

اور مولانا شیخ جمال محمد کے نام شاہجہاں کا ایک فرمان مکتوبہ ۱۹ ربیع الثانی ۱۰۵۲ھ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے. اس فرمان کے ذریعہ جمال محمد وغیرہ کو مساۃ لہری (؟) ساکن کاندھلہ کے ترکہ میں سے انچاس بیگھہ زمین مدد معاش کے لئے عطا کی گئی ہے. افسوس اس فرمان سے مزید معلومات نہیں ملتی ہیں.

ہر چند کہ مولانا قاضی شیخ محمد، مولانا شیخ بہاء الدین شاہ اور مولانا جمال محمد شاہ کی نسبت مفصل یا مختصر معلومات دستیاب نہیں ہیں، مگر قدیم سے قدیم تر دستیاب کاغذات میں ان تینوں شخصیتوں کے نام کے ساتھ "مولانا شیخ" کا تعظیمی لاحقہ موجود ہے، اور علماء و صوفیاء کے تذکروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد (دسویں گیارھویں صدی) میں، مولانا کا تعظیمی لفظ بہت احتیاط سے صرف ان افراد کے لئے استعمال ہوتا تھا جو علم و فضل میں یگانہ، اور درس و تدریس میں شہرہ آفاق ہوں[1].

---

[1] اخبار الاخیار (شیخ عبدالحق محدث دہلوی (مؤلفہ ۹۹۶ھ)) اور تذکرہ گلزار ابرار (محمد غوثی شطاری، مؤلفہ ۹۹۸ھ تا ۱۰۱۲ھ) کے مطالعہ سے اس کا واضح اندازہ ہوتا ہے.

مولانا محمد اشرف جھنجھانوی

مولانا محمد اشرف کی تعلیم و تربیت کی نسبت مفصل معلومات کا فقدان ہے۔ مولانا کے متعلق معلومات کا واحد ذریعہ وہ واقعات ہیں، جو مولانا کے پرپوتے مولانا محمد ساجد (م ۱۲۰۶ھ) کی تالیف "غرائب الهند" کے حوالے سے مفتی الٰہی بخش کاندھلوی نے اپنی بیاض میں نقل کئے ہیں، اس بیاض کے حوالے سے یہ واقعات مشائخ کاندھلہ میں بھی نقل ہو چکے ہیں[1]، مگر راقم الحروف نے استفادہ کے لئے اصل بیاض کو سامنے رکھا ہے، اور واقعات کو جوں کا توں مگر ترتیب میں معمولی سی ترمیم کے ساتھ نقل کیا ہے۔ اور لفظی ترجمہ پر آزاد ترجمہ کو ترجیح دی ہے۔

مولانا محمد اشرف، علم و فضل، درس و استفادہ، معرفت و سلوک، استغنا اور ترک دنیا میں فرد فرید تھے۔ مولانا سے قریب العہد بعض بیعناموں میں مولانا کے لئے "مشیخت پناہ، فضائل و کمالات دستگاہ" کے تعظیمی الفاظ موجود ہیں، جو اس وقت اعترافِ کمال کی بڑی سند سمجھے جاتے تھے۔

علم و فضل اور درس و تدریس

مولانا محمد اشرف کا علم و فضل میں مقام کتنا بلند، کس قدر شہرت، اور درس و تدریس میں مشغولیت کا کیا عالم تھا، اس کا کچھ اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ علامہ عصر ملا عبدالحکیم سیالکوٹی (م ۱۰۶۷ھ) نے مولانا کے فضل و کمال کا شہرہ سنا تو دہلی جاتے ہوئے جھنجھانہ آئے جس وقت علامہ سیالکوٹی پہونچے تو مولانا محمد اشرف مطوّل کا درس دے رہے تھے۔ مولانا نے علامہ کی پذیرائی فرمائی، اور مختصر مدارات کے بعد دوبارہ سبق شروع فرمادیا۔ علامہ نے مولانا سے علمی مکالمہ شروع کیا۔ بحث کا سلسلہ طویل ہوا، اور مختلف مباحث پر گفتگو ہوئی۔ منقولات بھی زیر بحث آئے، پھر سلسلہ کلام اصولِ علوم پر پہونچا تو مولانا نے فرمایا، ہاں! اب ہمارے

---

[1] بیاض حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، ورق ۱۴/ الف تا ورق ۱۰/ ب (بیاض متفرقات اول)

موضوع پر آئے ہو۔! مولانا کے اس ارشاد پر علامہ نے شاید یہ خیال کیا کہ مولانا دوسرے مباحث میں بھی کسی سے کم نہیں ہیں، اور اس موضوع پر جس کو اپنا موضوع قرار دے رہے ہیں، ممکن ہے کہ مجھے خاموش کر دیں، اس لئے اسی مقام پر گفتگو ختم کر دی اور کہا:

" منکر نفوس قدسیہ بودم، حالا معلوم شد کہ دریں جہاں موجود اند۔"	میں نفوس قدسیہ کے وجود کا منکر تھا مگر اس وقت معلوم ہوا کہ اس دُنیا میں موجود ہیں۔ [1]

اس گفتگو کے بعد علامہ نے حقہ کی حرمت میں اپنا تالیف کیا ہوا ایک رسالہ مولانا کے سامنے پیش کیا اور فرمایا:۔

در علم ظاہر و باطن کامل ہستند، دریں باب چہ می فرمایند:؟	جناب علم ظاہری و باطنی میں کامل ہیں اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں۔؟

مولانا نے فرمایا۔ مُباح ہے، کیونکہ اشیاء میں اصل اباحت ہے اور حقہ خاص و عام میں رائج ہو چکا ہے [2] اس کو حرام کہنا زیادتی ہے، اس پر علامہ سیالکوٹی نے فرمایا، اگر حلال ہے تو میرے سامنے پیجئے۔ مولانا نے جواب میں فرمایا۔ میں ضعف دماغ کی وجہ سے اس سے سخت نفور

---

[1] اسی طرح کا ایک واقعہ مولانا عبدالرحمٰن جامی (متوفی ۸۹۸ھ) کے ساتھ پیش آیا تھا۔ ہراۃ میں مُلّا علی قوشجی نے مولانا جامی کے سامنے چند مشکل سوالات پیش کئے۔ مولانا نے فی البدیہہ معقول جواب سے نوازا تو ملا قوشجی خاموش ہو گئے اور کہا: "ازاں روز باز را معلوم شد کہ نفس قدسی دریں عالم موجود بودہ است"۔ رشحات ملا حسین واعظ کاشفی ص ۱۳۵ (لکھنؤ ۱۳۰۸ھ) نیز ملاحظہ فرمایئے الفوائد البہیہ فی تراجم الحنفیہ" مولانا عبدالحی فرنگی محلی ص ۳۸ (لکھنؤ ۱۲۹۳ھ)

[2] اس وقت حقہ پینے کی وبا حد سے گزر گئی تھی، بقول ڈاکٹر محمد عمر:۔

"ہر کس و ناکس تمباکو استعمال کرنے لگا تھا، یہاں تک کہ امراء، وزراء، شرفاء، علماء، زہاد، فضلاء، شعراء، فصحاء، حکماء اور فقراء سب ہی اس کی طرف راغب ہو چکے تھے، اور دیگر اشیاء خوردنی اور نوشیدنی پر اسے ترجیح دینے لگے تھے۔ تمباکو پینے کی لوگوں میں

کرتا ہوں، اور علما کا قول کافی ہے، ہر مسئلہ پر ان کا عمل شرط نہیں ہے۔ علامہ پھر گویا ہوئے اگر قول کے ساتھ عمل بھی ہو تو کیا حرج ہے۔؟ اس پر مولانا نے ایک طالب علم کو طلب فرما کر حقہ پینے کا حکم دیا اور فرمایا،

در اجماع شرط اجماع مجتہدین است	اجماع میں علماء مجتہدین کا اجماع شرط ہے
اجماع علما معتبر نیست، در تقدیر	عام علماء کا اجماع معتبر نہیں ہے اگر علماء کا
فرض و تسلیم اجماع را سند از کتاب یا	اجماع بھی سند تسلیم کر لیا جائے تو اسکے لئے
سنت در کار است، و در آنجا سند	کتاب و سنت سے سند کی ضرورت ہے اور اس
حرمت از کجے خواہید۔"	مسئلہ پر حرمت کی دلیل کہاں سے آئے گی۔؟

مولانا کی تقریر کے بعد علامہ نے اپنا رسالہ چاک کر دیا۔

وادیٔ معرفت میں

مولانا ایک ندائے غیبی کا اشارہ پا کر شیخ و مرشد کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور بالآخر سلسلۂ قادریہ کے ایک بزرگ تک پہنچے، ان کے باطنی حالات کے کچھ تجربہ و مشاہدہ سے دل میں ان کی عقیدت پیدا ہوئی، مولانا نے ان سے کچھ علمی سوالات بھی کیے جس سے ان بزرگ کا علمی مقام بھی ان پر منکشف ہوا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) اتنی بری لت پیدا ہو چکی تھی کہ اس کے عادی کھانا پینا ترک کر سکتے تھے لیکن تمباکو ترک کرنا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔"

______ ہندوستانی تہذیب کا مسلمانوں پر اثر ص ۲۲۹ (دہلی ۱۹۷۵ء)

عہد جہانگیری میں تمباکو کا پینا قانونی طور پر ممنوع قرار دے دیا گیا۔ مگر شاہی حکم بھی اس فعل سے باز نہیں رکھ سکا، ایسے مجرموں کو شہر میں گشت کرایا جاتا، اور بعض کے ہونٹ تک کٹوا لیے گئے مگر اس سختی کے باوجود یہ مرض روز بروز بڑھتا گیا۔

بالآخر اس علمی مذاکرہ کے بعد مولانا، ان بزرگ سے بیعت ہوگئے، اور طریق قادریہ کے مطابق مجاہدے اور ریاضتیں کرتے رہے، دو سال کے بعد ان بزرگ نے ارشاد فرمایا، تمھارا باقی حصہ فلاں کے پاس ہے، اس ارشاد کے بعد بغدادی پیر سے رخصت ہوکر موخرالذکر بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے استفادہ کیا۔ ان بزرگ نے ایک اور شخصیت کی جانب رہنمائی فرمائی اور فرمایا جاؤ فلاں شخص سے کسب کمال کرو۔ ان کی خدمت میں نیاز حاصل کیا تو انھوں نے فرمایا۔ اب تم ہر طرح سے کامل ہوگئے ہو، وطن واپس جاؤ اور روحانی دولت کو اگر ظاہر کرنا چاہو تو مخلوق خدا کو بیعت کرو اور راہ ہدایت دکھاؤ، اور اگر چھپانا چاہو تو درس میں مشغول رہو، مولانا نے عرض کیا، میں علم شریعت کی خدمت کرنا زیادہ پسند کرتا ہوں، اس پر ان بزرگ نے مولانا کو دعا سے نوازا اور فرمایا۔

"تاقیامت علم ظاہری از خاندان تو نخواہد رفت"

قیامت تک ظاہری علم تیرے خاندان سے نہیں جائے گا۔

اس اجازت کے بعد پیر و مرشد سے رخصت ہوکر وطن آئے اور درس و تدریس میں مشغول ہوگئے اور کمال تربیت وسلوک اور اجازت بیعت کے باوصف بہت کم کسی کو بیعت فرماتے تھے۔ مولانا کا یہ معمول سن کر تھانیسر کے ایک بزرگ نے اپنے خادم کے ذریعہ جبہ اور ٹوپی مولانا کی خدمت میں روانہ کیا مگر زبانی کوئی پیغام نہیں بھیجا حضرت مولانا نے اس عطیہ پر، پرانے جوتے رکھ کر واپس فرمادیا۔ حاضرین مجلس نے اس کا راز جاننا چاہا تو مولانا نے فرمایا، ان بزرگ کا مقصد یہ تھا کہ تم سلوک کی تکمیل کرچکے ہو، ہر طرح سے لائق بیعت وارشاد ہو، لوگوں کو بیعت کرو اور خلافت واجازت دو، میں نے اس کا جواب یہ بھیجا ہے کہ میں تو خود کو پرانے جوتوں سے بھی کمتر وحقیر سمجھتا ہوں اور بیعت وارشاد کا اہل نہیں ہوں۔

---

[1] مولف تفسیر کشاف کے متعلق ان بزرگ کا ارشاد حضرت شیخ بہاءالدین زکریا ملتانی کے ایک ارشاد اور واقعہ کی بازگشت تھا جو حضرت شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی نے نقل فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو فوائد الفواد ص۱۰۹ (لکھنؤ ۱۳۰۲ھ)

توکّل واستغنا

شاہجہاں (دورِ حکومت ۱۰۳۸ھ تا ۱۰۶۹ھ) کے دورِ حکومت میں مولانا کے کمالات کا غلغلہ قلعہ معلّٰی تک پہونچا، تو شاہجہاں نے مولانا کو طلب کرنے کے لئے پالکی اور سوار جھنجھانہ بھیجے مولانا کو اس کی خبر ملی تو ایک روز صبح سویرے دہلی کے لئے روانہ ہوگئے۔ سوار فجر کے بعد مولانا کے دروازہ پر پہونچے اور مولانا کے منتظر رہے، جب ان کو مولانا کی دہلی کے لئے روانگی کا حال معلوم ہوا تو جھنجھانہ سے فوراً کوچ کیا اور دہلی واپس ہوئے۔ اس وقت مولانا بھی دہلی پہونچ چکے تھے مولانا نے اپنے معتقد ایک امیر کے توسط سے شاہجہاں سے ملاقات کی۔ بادشاہ نے (جملۃ الملک علامی) سعد اللہ خاں سے کہا کہ مولوی صاحب کا امتحان لو۔ سعد اللہ خاں نے مختلف علوم کے متعلق مسائل وسوالات دریافت کئے۔ جوابات سے مولانا کے تبحرِ علم کا اندازہ ہوا، تو بادشاہ کے حضور میں کہا:۔۔۔۔۔

"ایں شیخ دریائے یافتم کہ کنارہ او پیدا نیست"	میں نے شیخ کو علم کا ایک ایسا دریا پایا ہے جس کا ساحل معلوم نہیں"

اس علمی مذاکرہ کے بعد بادشاہ نے دو ہزار بیگھہ آراضی کا فرمان تیار کرا کے مولانا کی خدمت میں پیش کیا، مگر مولانا نے اس فرمان کو قبول کرنے سے معذرت فرمائی اور کہا:۔۔۔۔۔

خدا رازق ماست نہ بادشاہ، من برائے عمل بر آیۃ "اطیعوا اللہ واطیعوا الرّسول و اولی الامر منکم" آمدہ بودم نہ برائے تحصیل املاک۔	ہمارا رازق خدا ہے بادشاہ نہیں، میں تو اس آیت "تم اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو، اور رسول کا کہنا مانو، اور تم میں جو اہل حکومت ہیں ان کا بھی"۔ (سورہ نساء ۵۹) پر عمل کرنے کی نیت سے آیا تھا، جاگیر امداد حاصل کرنے نہیں آیا۔

مولانا کے انکار فرمانے پر، مولانا کے متوسل امیر نے وہ فرمان مولانا کے صاحبزادگان کے نام منتقل کرا دیا تھا۔ اس فرمان کی نسبت مولانا احتشام الحسن کا یہ بیان درست نہیں کہ،

"شاہجہاں بادشاہ کا وہ فرمان مولانا محمد ساجد کے نام جاری ہوا جو آج بھی موجود ہے۔" [1]

مولانا محمد ساجد کی ولادت (۱۱۲۰ھ) سے پہلے عالمگیر کی بھی وفات ہو چکی تھی، اس لئے کس طرح ممکن ہے کہ مولانا محمد ساجد کے نام شاہجہاں کا فرمان جاری ہوتا۔ صحیح یہ ہے کہ مولانا محمد اشرف کے صاحبزادگان کے نام شاہجہاں کا یہ فرمان ۱۰۶۸ھ میں جاری ہوا تھا۔ [2] اور عالمگیر کے بہت بعد بارھویں صدی ہجری کے وسط میں دربار شاہی سے اس کی توثیق و تجدید ہوئی تھی۔ یہی فرمان، یا توثیق نامہ مولانا احتشام الحسن کے پاس تھا، اور راقم سطور کی نظر سے بھی گذرا ہے، مگر اس کی تفصیلات قلم بند کرنے میں تساہل ہوا، اور اس وقت وہ فرمان میری دسترس سے دور ہے۔

حضرت مولانا کے ترک دنیا اور توکل و استغنا کا ایک اور واقعہ بھی ناقابل فراموش ہے۔ حضرت مولانا کے گھر میں اکثر فقر و فاقہ اور تنگ دستی کا بسیرا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ مولانا کا ایک مرید تقریباً دو سیر سونا لے کر مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں کیمیا جانتا ہوں آپ کے یہاں فقر و فاقہ رہتا ہے، بادشاہ کا وظیفہ قبول نہیں فرماتے ہیں، اس لئے میں یہ سونا طلباء کے خرچ کے لئے لایا ہوں۔ مولانا نے فرمایا، مسجد کی محراب میں دفن کر دو، ضرورت ہوگی تو لے لوں گا۔ کچھ دن کے بعد وہ مرید پھر آیا تو دیکھا کہ فقر و فاقہ اسی طرح ہے۔ اس حال کو دیکھ کر آنسو بھر آئے اور کہا کہ اگر وہ سونا خرچ میں آگیا ہے تو اور سونا موجود ہے۔ حضرت مولانا نے فرمایا، تم نے وہ سونا کس جگہ دفن کیا تھا۔ کہا، محراب میں۔ مولانا نے فرمایا، اسی جگہ دیکھو۔ دیکھا تو وہ سونا اسی طرح موجود تھا۔ مرید افسردہ و غمگین ہوا اور عرض کیا، حضرت اس کی قدر نہیں کرتے، لوگ کیمیا کی تلاش میں پھرتے ہیں، اگر حکم ہو تو حاضر کر دوں۔؟ حضرت اس وقت ڈھیلے سے استنجا کر رہے تھے۔ وہی ڈھیلا ایک پتھر پر مارا، جو ڈھیلے کے اثر سے سونے میں تبدیل ہو گیا، اس پر حضرت

---

[1] حالات مشائخ کاندھلہ ص۱۶

[2] یہ فرمان (مکتوبہ ۱۰۶۸ھ) حاجی محمد محسن کاندھلوی (م ۱۳۶۲ھ) کی نظر سے گذرا تھا۔ حاجی محسن نے شجرۂ نسب کی ترتیب میں اس سے استفادہ کیا ہے اور اس فرمان کا حوالہ ذکر کیا ہے۔

مولانا نے فرمایا:

"ایں ہر دو را بخانۂ خود ببر، فقر ما برائے متابعۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فقر اختیاری است نہ اضطراری"

ان دونوں کو اپنے گھر لے جاؤ، ہمارا فقر و فاقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں، فقر اختیاری ہے فقر اضطراری نہیں ہے۔

مولانا محمد اشرف کی کوئی علمی تحریری یادگار راقم سطور کے علم میں نہیں ہے۔ مولانا کی تحریر فرمائی ہوئی دو کتابیں شرح عقائد (نسفی ؟) اور حاشیہ خیالی ایام طالب علمی میں حضرت مفتی الٰہی بخش (ولادت ۱۱۶۲ھ۔ وفات ۱۲۴۵ھ) کی نظر سے گزری تھیں، مفتی صاحب نے اپنی بیاض میں ان کا ذکر کیا ہے۔

حضرت مولانا کا صحیح سنہ وفات معلوم نہیں ہے، مگر بعض دستاویزات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سنہ ۱۱۰۰ھ کے قریب وفات ہو چکی تھی۔ مزار جھنجھانہ (مظفر نگر یوپی) میں موجود ہے۔

مولانا محمد اشرف کے دو صاحبزادے تھے، مولانا شاہ محمد شریف اور عبدالمقتدر، موخرالذکر کے متعلق اس کے علاوہ کچھ معلوم نہیں کہ وہ سنہ ۱۰۹۶ھ تک حیات تھے، مولانا محمد شریف کا ذکر آئندہ سطور میں پڑھئے۔

مولانا محمد شریف جھنجھانوی

مولانا محمد شریف کی نسبت بھی معلومات کا فقدان ہے۔ مگر مولانا کے دو ہم عہد بیعناموں میں مولانا کا نام جس طرح تحریر ہوا ہے اس سے یہ اندازہ کرنا غلط نہ ہوگا کہ مولانا بھی اپنے والد ماجد کی طرح علم و فضل اور سلوک و تصوف میں یگانہ تھے۔ ایک بیع نامہ میں "مشیخت و فضیلت پناہ"[1] اور دوسرے میں صرف "مشیخت پناہ میاں محمد شریف"[2] تحریر ہے۔

---

[1] بیع نامہ مکتوبہ ۱۰ر جمادی الاولیٰ ۱۰۸۳ھ منجانب شیخ اللہ یار بن عبدالرحیم کیرانوی (وکیل بی بی لاڈو)

[2] بیع نامہ مکتوبہ ۱۴ر جمادی الاخریٰ ۱۱۰۳ھ منجانب بی بی ہبہ بنت حضرت مولانا محمد اشرف جھنجھانوی۔

مولانا محمد شریف کی نسبت خاندانی ذخیرہ میں کوئی اور معلومات راقم سطور کی نظر سے نہیں گزری[1]، مگر صوفیا و مشائخ کے ایک معروف تذکرہ "تاریخ الاولیاء" میں محدث جلیل حضرت شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی (م ۹۹۸ھ) کے خلفاء کی فہرست میں "شاہ صوفی شریف جھنجھانی" کا ذکر ہے[2]۔ مؤلف تاریخ الاولیاء نے اپنے آخذ کی جو طویل فہرست دی ہے اس سے یہ تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتاب محنت اور وسیع مطالعہ سے مرتب ہوئی ہے مگر جب تک اس روایت کا ماخذ معلوم نہ ہو یقین سے کچھ کہنا دشوار ہے، اگر یہ روایت درست ہے تو مولانا محمد شریف کی عمر یقیناً سو سال سے زائد ہوئی ہے، کیونکہ ہبہ نامہ مسماۃ بی بی ہدیہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ مولانا ۲ جمادی الاخری ۱۰۰۹ھ تک حیات تھے۔

مولانا محمد شریف کے تین صاحبزادے تھے۔ مولانا شیخ ابوالحسن جو ۱۰۳۲ھ تک حیات تھے اور لاولد فوت ہوئے، دوسرے مولانا حکیم عبدالقادر جو مفتی الٰہی بخش کے جد ہیں، اور مولانا فیض محمد جو مولانا محمد الیاس و حضرت شیخ الحدیث کے اجداد میں ہیں۔

مولانا فیض محمد جھنجھانوی

مولانا فیض محمد[3] کے حالات بھی معدوم ہیں، مگر مولانا محمد ساجد نے اپنے مجموعہ مکتوبات میں (تعارف آئندہ سطور میں آرہا ہے) مولانا فیض محمد کے خطوط نقل کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھے ہیں:۔

---

[1] رضا لائبریری رام پور کی فہرست مخطوطات فارسی میں ایک مخطوطہ خلاصۃ الاسرار در کشف مشرب شطار، مکتوبہ ۱۰۶۲ھ تالیف شیخ صوفی ...... جھنجھانوی، کا ذکر ہے۔ افسوس ہے کہ مولف کا نام اس میں موجود نہیں، اس سے مولانا محمد شریف تو مراد نہیں ہیں۔؟

[2] "تاریخ الاولیاء" تالیف سید امام الدین گلشن آبادی ص ۳۶۶ (بمبئی ۱۲۹۱ھ)

[3] مولانا کی معاصر دستاویزات اور مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد ساجد کی تمام تحریرات میں "فیض محمد" ہے۔ متاخر دستاویزات و تحریرات میں محمد فیض بھی ہے۔ راقم نے معاصر بیان پر اعتماد کیا ہے۔

"جامع العلوم الظاہریۃ والباطنیہ عالم الفارسیۃ والعربیۃ مجمع الفضائل والفواضل، حاوی محاسن الشمائل فیض محمد بن محمد شریف بن محمد اشرف القادری الجنجھانوی"۔

اس تعارف سے یہ قیاس غلط نہ ہوگا کہ مولانا فیض محمد بھی علم و عمل میں یگانہ، اور روحانیت و معرفت میں اپنے اسلاف کے قدم بہ قدم تھے۔

مولانا فیض محمد کی قلمی یادگار وہ خطوط ہیں جو مولانا کے صاحبزادے مولانا محمد ساجد نے اپنے مجموعہ مکتوبات میں نقل کئے ہیں، ایک خط تبرکاً ذیل میں نقل کیا جاتا ہے:

یکے از فضولیہائے بوالفضولانہ ایں خلوت نشین دشت گرد، عزلت گزین صحرانورد کہ مانند عنقا چشم جہاں از خود بر بستہ، و چوں عندلیب بر شاخسار ہر چمن نشستہ از ہمہ بیگانہ و باہمہ آشنا، از کمن خود پا بیروں نکشیدہ، و عالم را بچشم جہان خود دیدہ، پشت در گوشۂ تنہائی فرسودہ، و چوں گدا بر در ہر حلقہ زدہ و چوں صیاد سست قدم خطا کار در کمین ہر صید نشدہ، آنست کہ در ہر بزم جرعہ از جام وحشت خورد، و ایں طفل نوزاد، دارو ئے تلخ از دواخانہ ہستی بکام و زبان خود برد، و بسادہ لوحیہا کہ مناسب وقت اوست، چہرہ حال خویش بیاراید، و ازیں جام طبعہا کہ سموم قاتل جنس اوست باز آید، و از لوازم طبیعت و ظلمت کدہ ہر زہ گردیہا بر آمدہ بکار پروازیہائے شائستہ پرواز خود اشتغال نماید، و کامے چند بوسئے ذرو ۂ نورانیت فرساند کہ چوں آئینہ اہل خطا مجازات نقش و نگار رنگین آں بیت چیں پرداز۔

و باشد کہ در نظر ظاہر بیناں لباس صورت اگرچہ دم سازیہا زند، اما در محفل نغمہ پردازاں نواخوانی اصل خویش آغازد، و از آنجا کہ آں رم آموز غزالان معنی بلند فراموشی پیوند، رباں رباں ازیں نخچیر خانہ بیگانہ وش بے تابانہ می گذرد، ایں تمنائے دیرینہ است نمیدہد، و ازیں زندان بے پایاں پریشاں ساعتے نمی رہد بوالعجبہا است کہ بایں سرکشان حلقۂ زلف ناکردہ پریشان خاطران ناکامی بر دوش

باحلقہ حلقہ کمان ابروان ہم آغوش، بایں سہل پیوندآ ماجگاہ تیر ملامت ساختند،
دمے بآرام بخشی ایں ناکام بے آرام نپرداختند۔
مسرت کردم بایں نازک مزاجی ظلم کمتر کن"۔[1]

مولانا فیض محمد کے چار صاحبزادے تھے، مولانا محمد ساجد، محمد سجاد[2]، غلام قادر، قادر بخش۔

مولانا محمد ساجد جھنجھانوی

مولانا محمد ساجد ۱۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے، خواجہ اکرم دہلوی نے لفظ "خورشید" سے تاریخ نکالی، تعلیم کی تفصیلات نظر سے نہیں گزریں، حکیم محمد ساجد کی بیاض میں ایک نسخہ پر "از استاذی حکیم شرف الدین" تحریر ہے، مگر یہ کون بزرگ تھے اور ان سے کیا پڑھا، کچھ سراغ نہیں ملتا ہے۔

مولانا محمد ساجد متبحر عالم، وسیع النظر فقیہ، تجربہ کار حکیم، خوش کلام شاعر، نجوم و جفر میں کامل اور تعویذات و کیمیا سازی میں ماہر تھے۔ تذکرہ نگار حکیم محمد ساجد کی نیک نفسی کے قائل اور ان کے فضل و کمال کے معترف ہیں۔ قدرت اللہ شوق کا قول ہے "حکیم ساجد از مغتنمات روزگار است"[3] اور میر محمد سرور لکھتے ہیں:۔

---

[1] مجموعہ مکتوبات، مولف و مکتوبہ مولانا محمد ساجد۔ ورق ۵۲۔ ب

[2] محمد سجاد، ذی علم شخص اور مشہور شاعر تھے، تاریخ، موسیقی اور شعر گوئی میں کمال رکھتے تھے۔ قدرت اللہ شوق نے لکھا ہے، ذہنش بسیار مناسب و طبعش درست" آخر میں کہتے ہیں " از نوادرات روزگار خود است" مگر اس علم و صلاحیت کے باوجود معاشرے کے پست اثرات سے محفوظ نہیں تھے، افسوس ہے مطبوعہ و دستیاب کلام کا اکثر حصہ ہزل سے پُر ہے۔ تذکرہ نگاروں کو سجاد کے اس عیب کا بجا طور پر شکوہ ہے۔

[3] طبقات الشعراء، قدرت اللہ شوق (تالیف ۱۱۸۸ھ) مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص ۳۲۵ (لاہور ۱۹۶۸ء)

"مولوی ساجد کہ فاضل کامل دبر اکثر علوم عالم بود" [۱]	مولوی ساجد جو فاضل کامل اور اکثر علوم کے عالم تھے۔

اور لالہ سری رام نے لکھا ہے:۔

"حکیم ساجد علی اٹھارھویں صدی کے آخر میں اپنے ہم عصروں میں خوش خلقی اور نیک طینتی کے باعث ممتاز تھے۔" [۲]

مولانا محمد ساجد کی زندگی کا بیشتر حصہ امرا، اور نوابوں کی مصاحبت اور ملازمت میں گزرا، طویل ترین رفاقت نواب سعد اللہ خاں والی روہیل کھنڈ کے ساتھ رہی۔ نواب سعد اللہ کی ولی عہدی کے دور میں نواب صاحب سے مجالست و ہم نشینی تھی جو نواب سعد اللہ کی وفات ۱۱۷۶ھ [۳] تک رہی۔ اس ملازمت کی وجہ سے اٹھارہ سال تک ریاست روہیل کھنڈ کے صدر مقام (آنولہ) میں مقیم رہے۔ نواب سعد اللہ کی وفات کے بعد ۱۱۷۶ھ میں ہی ترک ملازمت کرکے وطن واپس آ گئے تھے۔ آنولہ سے واپسی کے تقریباً دو سال بعد ۱۹ ذی الحجہ ۱۱۷۹ھ کو اہل وعیال کے ہمراہ الٰہ آباد کے لئے روانہ ہوئے، یہ سفر جو کسی نجی ضرورت سے ہوا تھا سخت پریشانی کا سبب ہوا۔ جس مقصد کے لئے سفر ہوا تھا وہ تو پورا نہیں ہوا، مگر بے سروسامانی اور زحمتوں کا قدم قدم پر ساتھ رہا، اور واپسی میں بھی غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ اس مصیبت و پریشانی کے عالم میں کئی سال تک الٰہ آباد میں مقیم رہے۔ اس سفر کے زمانے میں حرارت کی سخت گرفت

۱۔ تذکرۂ عمدۂ منتخبہ، میر محمد خاں سرور (تالیف ۱۲۱۶ھ) مرتبہ خواجہ احمد فاروقی صفحہ ۵۴۲ (دہلی ۱۹۶۱ء)

۲۔ خمخانۂ جاوید، لالہ سری رام ص۵۱ جلد سوم (دہلی ۱۹۲۶ء)

۳۔ نواب سعد اللہ خاں کی وفات کی نسبت ایک روایت ۱۱۶۵ھ میں وفات کی بھی نقل کی جاتی ہے۔ یہ روایت فرح بخش تالیف محمد فیض بخش کاکوروی کے حوالے سے مولوی نجم الغنی رام پوری نے بھی نقل کی ہے، اور ان کے انداز سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ اسی کو راجح سمجھتے ہیں۔ صفحہ ۲۵۶ اخبار الصنادید، جلد اول۔ مگر صحیح یہ ہے کہ نواب سعد اللہ نے ۱۱۷۶ھ میں وفات پائی۔ اس وقت مولانا محمد ساجد خود آنولہ میں موجود تھے اور مولانا ساجد نے نواب سعد اللہ کا قطعہ تاریخ وفات بھی لکھا تھا۔

اور مولانا کی بے کسی اور مجبوری مولانا کے خطوط سے عیاں ہے۔[1]

مولانا کے متوسل عماد الملک ہونے کی بھی ایک روایت[2] ہے، مگر اس کی تفصیل دستیاب نہیں ہے ممکن ہے سعد اللہ خاں کے دور رفاقت میں عماد الملک سے بھی تقرب رہا ہو، تاہم اس سلسلہ میں کوئی واضح اطلاع راقم کی نظر سے نہیں گزری ہے۔

اخیر میں نواب فیض اللہ خاں والی رام پور کی سرکار سے وابستہ ہو گئے تھے[3] اسی ملازمت کے دوران وفات پائی۔ مولوی محمد شاہ تمہید شرح زلیخا میں رقم طراز ہیں۔

"دا از بوقلمونی روزگار ناہنجار حضرت مخدوم (مولانا) نیرنگئ زمانہ سے حضرت مخدوم (مولانا

مخدوم از بلدۂ دار السرور رام پور عازم محمد ساجد) دار السرور رام پور سے وطن

وطن شدہ متوجہ بعالم قدس گردیدند[4] گئے اور سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔

درس اور مطب کی مصروفیات

مولانا محمد ساجد، سرکاری مصروفیات سے فارغ اوقات درس اور مطب میں صرف کرتے تھے، ایک دوست کے نام خط میں تحریر فرماتے ہیں۔

باعث عدم نامہ و پیغام تا این ایام اس وقت تک نامہ و پیام نہ ہونے

---

[1] شاید ان مشکلات اور مصائب کے لئے شجاع الدولہ کی روہیلوں اور ان کے متعلقین و لازمین سے نفرت و عداوت ذمہ دار ہو، شجاع الدولہ نے روہیلوں اور ان کے متوسلین کو کس بری طرح برباد و پامال کیا ہے۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو، اخبار الصنادید جلد اول ص۵۲۳ تا ص۵۲۵، اور تاریخ اودھ، مولوی نجم الغنی خاں رام پوری ص۲۲۵ تا ص۲۵ جلد دوم (کراچی ۱۹۷۸ء)

[2] لکھنؤ کا دبستان شاعری، ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی ص۵۶ (دہلی ۱۹۷۵ء)

[3] تذکرہ کاملان رام پور، احمد علی خاں شوق ص۱۴۷ (دہلی ۱۹۲۹ء)

[4] شرح زلیخا، از مولانا محمد ساجد، مرتبہ مولوی محمد شاہ ص۳ (کان پور ۱۲۹۹ھ)

"نہ انقاص در محبت و اخلاص است حاشا و کلا، بل دو چیز یکے کثرت مشاغل از ہجوم بیماراں، و آمد و رفت سبق خواناں"[1]

کی وجہ محبت و اخلاص کے رشتہ کا کمزور ہونا نہیں ہے، قسم بخدا! اس کی وجہ صرف دو چیزیں ہیں، مریضوں کے ہجوم کی وجہ سے فرصت کا نہ ہونا، اور سبق پڑھنے والوں کا ہر وقت آنا جانا۔

بیعت و استفادہ

مولانا محمد ساجد نے حضرت شاہ عبدالرسول بیجاپوری انبالوی[2] سے بیعت ہو کر مقامات سلوک و تصوف طے کئے۔ مولانا محمد ساجد کو شاہ عبدالرسول سے والہانہ محبت تھی۔ پیر و مرشد بھی مولانا کو یاد فرماتے رہتے تھے۔

ذوقِ شعر و سخن

اہل علم و فضل خصوصاً متبحر، اور جامع فنون شخصیات کے لئے شاعری کبھی وجہ امتیاز، اور ذریعہ عزت نہیں رہی، مگر مولانا کے اس وصف کا ذکر اس لیے ضروری ہے کہ مولانا میر و سودا کے معاصر، اور اُردو زبان کے بلند پایہ اساتذہ کے ہم صفیر ہیں، اور کم از کم دو نسلوں تک متعدد ممتاز شعرا کے ذوق ہجوگوئی کے تختۂ مشق اور عنوان خاص رہے ہیں۔

مولانا محمد ساجد کا عاشق تخلص تھا، اور اُردو فارسی دونوں زبانوں میں مشق سخن کرتے تھے، مگر اُردو کلام بہت قلیل دستیاب ہے۔ ہر چند کہ مولانا کا کلام شعر و ادب کے ذخیرے میں اہم

---

[1] مکتوب مولانا محمد ساجد بنام شکر اللہ خاں، بنتی، ورق   مجموعہ مکتوبات مولانا محمد ساجد

[2] مولانا محمد میاں نے، شیخ عبدالرسول بیجاپوری انبالوی کو مشہور اولیاء اللہ میں شمار کیا ہے (پانی پت اور بزرگان پانی پت ص۱۴۱ دہلی ۱۹۶۳ء)، بحوالہ شرف المناقب تالیف شیخ محمد بن احمد۔ اس مبہم و نا تمام تذکرہ کے علاوہ شاہ عبدالرسول کی نسبت کچھ معلوم نہیں ہوا۔

اور بلند پایہ اضافہ نہیں کر رہا ہے۔ تاہم ایک ادبی اور تاریخی یادگار کی حیثیت سے اس کا مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ ذیل میں نمونہ کلام پیش ہے:۔

ہر زمان نازیم ما بر فطرت والائے خویش
نیست ما را با کسے پروا بجز مولائے خویش

گر نباشد مہرباں آں یار، بر من گو مباش
گوہرم دارد، چو از صد ہا بزیر پائے خویش

روزی ما میسر سازند آنکہ ما را آفرید
مائی جنبیم خور با اضطراب از جائے خویش

پیش استاذ قضا باب توکل خواندہ ام
کردم اسباب معیشت را بدراند رائے خویش

میدہاند حق از آنکس، کو دہد روزی مرا
ورنہ ابنہا کے دہند، افگندہ ...... خویش

ما چو ایں بدگو ہراں ہرگز خوشامد کو نیم
پادشاہی چوں ہما داریم در پرہائے خویش

خواہ عاشق آنچہ خواہی از جناب پیر خویش
بندۂ صادق نمی خواہد زجز مولائے خویش

عاشق جھنجھانوی کے اردو کلام کا اندازہ سعد اللہ خاں کے قطعہ تاریخ وفات سے ہوگا، جو درج ذیل ہے:۔

صد حیف اس کٹھیر[۵] کا ایک بادشاہ گیا   افسوس اسکے مرنے سے ..... خلق بہہ گیا
سعد اللہ کو کیا کہوں چشمہ تھا فیض کا   افسوس کہ یہ چشمہ اب بہنے سے رہ گیا

---

۵ کٹھیر، جو بعد میں روہیل کھنڈ کے نام سے مشہور ہوا۔ اخبار الصنادید، مولوی نجم الغنی رام پوری ص ۱۳۵ جلد اول۔

فیاض ذات اس کی سے روشن جہان تھا ۔۔۔ اب کیوں نہ ہو اندھیر کہ عالم سے مر گیا
تاریخ فوت اس کی جو پوچھی میں عقل سے ۔۔۔ کہتی تھی رو، رو کہ خورشید گہہ گیا

مولانا محمد ساجد اپنے علم و فضل اور امرائے عہد کے یہاں تقرب و اختصاص کی وجہ سے معاصر شعراء کے تختۂ مشق رہے، متعدد نامور شعراء نے مولانا کی ہجو یہ طبع آزمائی کی ہے، اس ہجوگو قافلہ کے میر کارواں سودا تھے۔ سودا نے مولانا کی متعدد ہجوئیں لکھی ہیں۔ میر ضاحک، میر حسن اور قائم چاندپوری کے کلام میں بھی مولوی ساجد کی ہجو موجود ہے۔ ہجوگوئی سودا کا تو معمول اور خاص موضوع سخن تھا، دوسرے شعراء کی ہجو لکھنے کے مختلف وجوہات تذکروں اور ان شعراء کے کلام سے معلوم ہوتی ہیں، مگر یہ ادبی بحث ہے اور پیش نظر صفحات اس گفتگو کا محل نہیں ہیں۔

متعدد تذکرہ نگاروں کو مولانا کے وطن کی تعیین میں مغالطہ ہوا۔ شاہ کمال مانک پوری نے شاہجہاں آبادی لکھا ہے[1] سعادت خاں ناصر شاہ آبادی کہتے ہیں[2] اور احمد علی شوق نے شاہجہاں پوری لکھا ہے[3]۔ مگر قدرت اللہ شوق[4] اور لالہ سری رام وغیرہ نے جھنجھانوی ہی لکھا ہے۔[5]

تصنیفات و تالیفات

مولانا محمد ساجد امراء کی رفاقت، اور درس و مطب کی مصروفیات کے ساتھ تصنیف و تالیف کا سلسلہ بھی رکھتے تھے۔ متعدد تالیفات یادگار ہیں۔ اس وقت تک دریافت آٹھ تالیفات اور دو بیاضوں کا تعارف نذر قارئین ہے۔

---

[1] تلخیص مجمع الانتخاب۔ شامل تین تذکرے مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص۲۶ (دہلی ۱۹۶۸ء)
[2] تذکرہ خوش معرکۂ زیبا، سعادت خاں ناصر۔ مرتبہ ڈاکٹر شمیم انہونوی ص۱۵ (لکھنؤ ۱۹۷۱ء)
[3] کاملانِ رام پور، احمد علی خاں شوق ص۱۳۲ (دہلی ۱۹۲۹ء)
[4] طبقات الشعراء، قدرت اللہ شوق مرتبہ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی ص۳۴۵ (لاہور ۱۹۶۸ء)
[5] خمخانۂ جاوید، لالہ سری رام ص۸۶ جلد سوم (دہلی ۱۹۲۶ء)

۱۔ **غرائب الہند**۔ حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (م ۱۲۴۵ھ) نے اپنی مختلف بیاضوں میں متعدد مقامات پر "غرائب الہند مولوی ساجد" کے حوالے سے مختلف معلومات نقل فرمائی ہیں مثلاً احوال مولانا محمد اشرف، طریق عقد انامل، سایۂ اصلی کی تحقیق اور اس کی رفتار ہندی مہینوں کے حساب سے نقوش پُر کرنے کے قواعد اور اس کی تحقیق، تحقیق اعداد متحابہ، اور کچھ نسخے بھی غرائب الہند کے حوالے سے نقل کئے ہیں، افسوس اس کتاب کا کوئی نسخہ ہمارے علم میں نہیں ہے۔

۲۔ **فتاویٰ العجائب الغرائب**۔ حضرت مفتی الٰہی بخش کی بیاضوں میں "فتاویٰ عجائب الغرائب مولوی ساجد" کے ایک سے زائد اقتباسات موجود ہیں، اور اس کی جلد کا ایک گتہ (پٹھا) بھی اتفاق سے محفوظ ہے، اس کی چیٹ پر "فتاویٰ عجائب الغرائب مولوی ساجد" تحریر ہے، اور یہ تحریر غالباً مولانا نورالحسن کاندھلوی (م ۱۲۸۵ھ) کی ہے۔ مگر اصل کتاب کے متعلق معلومات کا فقدان ہے[۱]۔

۳۔ **شرح یوسف زلیخا**۔ مولانا محمد ساجد نے یوسف زلیخا کے حاشیہ پر اپنی تحقیقات وافادات قلم بند کئے تھے، اس حاشیہ کی تکمیل ۱۴ ذی الحجہ ۱۱۵۶ھ کو ہوئی۔ پھر مؤلف نے اپنے شاگرد محمد شاہ سے اس حاشیہ کو شرح کی ترتیب پر نقل کرنے کی ہدایت کی۔ مگر مولوی محمد شاہ مؤلف کی حیات میں اس خدمت کو سرانجام نہ کر سکے، مؤلف کی وفات کے بعد اس ہدایت پر عمل ہوا۔ مولوی محمد شاہ سے اس کی تفصیل سنیئے:۔

---

[۱] عجائب الغرائب کے نام سے اُردو اور فارسی میں متعدد کتابیں تالیف ہوئی ہیں اُردو میں عجائب الغرائب تالیف محمد سرفراز خاں دہلوی، مؤلفہ ۱۲۸۱ھ مطبع مرتضوی دہلی سے ۱۲۸۳ھ میں شائع ہوچکی ہے اور فارسی کی عجائب الغرائب کے دو نسخے رضا لائبریری رام پور، اور ادارہ مشرقیہ ٹونک میں محفوظ ہیں۔ رام پور کی (غیر مطبوعہ) فہرست مخطوطات فارسی میں مؤلف کا نام غلام محی الدین میر تحریر ہے۔ مولانا محمد ساجد کے صاحبزادے کا نام بھی غلام محی الدین ہے۔ مگر ان کا تخلص گریاں ہے، اور ٹونک کی فہرست مخطوطات، تصرف علم مرتبہ صاحبزادہ شوکت علی (ٹونک ۱۹۸۰ء) میں مصنف کا نام مذکور نہیں ہے۔

"بر دانش وراں باریک بیں مخفی نماند کہ شرح عجیب حال المتن ایں کتاب دبوستاں تصنیف ساختہ و مرقومہ بر متن بطریق تحشیہ بتاریخ چہاردہم شہر ذی الحجہ سال ایک ہزار و یک صد و پنجاہ ہفت ہجری مطابق سنہ بست جلوس محمد شاہی از دست مبارک فضیلت مآب، حکمت اکتساب، مظہر اسرار ربانی، مصدر آثار انسانی مخترع نکات رنگین مبدع اشارات لوآئین، واضع دقائق سخن، شارح مضامین نو و کہن، مقبول درگاہ واجد حضرت حکیم محمد ساجد بن فیض محمد القادری الجھنجھانوی نور اللہ مضجعہ بود۔

پس بایما رفیض انتما حضرت موصوف، خاک پائے آل محمد بلا اشتباہ محمد شاہ، نقل حواشی ایں کتاب دبوستاں بطور کتاب بجز تمام بر دستے قلم آورد۔" [1]

شرح یوسف زلیخا کے خطی نسخے رضا لائبریری رام پور، دیال سنگھ (ہارڈنگ) لائبریری دہلی اور ذخیرۂ پروفیسر محمود خاں شیرانی، لاہور میں موجود ہیں [2]۔ شرح یوسف زلیخا دو مرتبہ شائع بھی ہو چکی ہے۔ پہلا ایڈیشن مطبع مظہر کلکتہ سے ۱۲۶۴ھ میں چھپا، دوسرا ایڈیشن مطبع نول کشور کان پور نے ۱۲۹۹ھ میں طبع کرایا۔ اول الذکر کا ایک نسخہ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ کی لائبریری میں راقم سطور کی نظر سے گزرا ہے۔ اور دوسری اشاعت کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرۂ کتب میں موجود ہے۔

۴۔ **شرح بوستان** ۔ شرح یوسف زلیخا کے تعارف سے یہ معلوم ہو گیا ہے کہ مؤلف نے شرح زلیخا کے ساتھ ہی بوستاں کا حاشیہ بھی لکھا تھا، اس حاشیہ کو بھی مولف کے شاگرد مولوی محمد شاہ نے شرح کے طرز پر مرتب کیا تھا۔ اس شرح کی ابتدا، ان الفاظ سے ہوتی ہے۔

"بنام جہاں دار، مضمون ایں بیت قائم مقام ترجمہ بسم اللہ است۔"

---

[1] شرح یوسف زلیخا مرتبہ مولوی محمد شاہ ص۳۰ (کان پور ۱۲۹۹ھ)

[2] فہرست مخطوطات فارسی (غیر مطبوعہ) بہ تصحیح مولانا امتیاز علی عرشی ص۱۸۳
رجسٹر مخطوطات فارسی (ہردیال لائبریری) ص۱۲ ۱۵۱۳ ادب۔
فہرست مخطوطات ذخیرۂ شیرانی (پنجاب یونیورسٹی، لاہور) ص۲۵۵ جلد سوم

شرح بوستاں کے دو قلمی نسخے رضا لائبریری رام پور میں[۱] اور ایک نسخہ ٹونک میں[۲] ہے۔

۵۔ **شرح سکندر نامہ**۔ احمد علی خاں شوق نے مولانا محمد ساجد کے تذکرہ میں لکھا ہے:

"موصوف نے بوستاں، زلیخا، اور سکندر نامہ کی شرح بھی لکھی تھی[۳]"

مگر راقم سطور کو اس کتاب کے مندرجات و تفصیلات، یا اس کے نسخوں کے متعلق کچھ معلوم نہیں ہے۔

۶۔ **مجموعہ مکتوبات**۔ اس مجموعہ مکتوبات میں سلاطین عصر، والیان ریاست، علماء و مشائخ، دوستوں اور اعزہ کے نام مولانا محمد ساجد کے اسّی خطوط موجود ہیں۔ یہ مجموعہ فارسی انشاء پردازی کا اچھا نمونہ ہے۔ اگرچہ ان خطوط میں مسائل و معارف اور فنی مباحث نہیں ہیں، مگر اس مجموعہ کے ذریعہ سے مولانا محمد ساجد کے طبیعت و مزاج، ذاتی مسائل، اور مصروفیات کا علم ہوتا ہے۔ مشاہیر ہند خصوصاً ممتاز تاریخی اور سیاسی شخصیات کے نام خطوط کی فہرست یہاں درج کی جاتی ہے۔

(۱) بنام احمد شاہ ابدالی ۲ خط۔ ایک عربی میں دوسرا فارسی میں ہے۔ یہ خطوط قاضی ادریس (؟) کے ذریعہ حضور سلطانی میں پیش ہوئے۔

(۲) بنام نواب سعد اللہ خاں والی روہیل کھنڈ	۴ خطوط
(۳) بنام محمد یار خاں خلف نواب سعد اللہ خاں	۱ خط
(۴) بنام شجاع الدولہ (جلال الدین حیدر بن صفدر جنگ)	۱ خط
(۵) بنام علی گہر خلف نواب شجاع الدولہ[۴]	۱ خط

---

[۱] نسخہ ۱ بخط غلام حسن، مکتوبہ ۱۲۳۹ھ، تعداد اوراق ۲۰۴، نمبر ۳۰۸۱ ادب

نسخہ ۲ مکتوبہ ۱۲۵۴ھ فصلی / ۱۲۹۶ھ، نمبر ۳۰۸۲ ادب۔ فہرست مخطوطات فارسی (غیر مطبوعہ)

[۲] قصر علم (فہرست ادارۂ مشرقیہ ٹونک) مرتبہ صاحبزادہ شوکت علی خاں ص۲۵۹ (ٹونک ۱۹۸۰ء)

[۳] کاملان رام پور، احمد علی خاں شوق۔ ص۱۳۷ (دہلی ۱۹۲۹ء)

[۴] غالباً اس سے نواب معین الدولہ سعادت علی خاں مراد ہوں گے۔

(۶) بنام سالار جنگ اوّل — ایک خط

(۷) بنام انجمن نسا دختر نواب قمر الدین وزیر ہند — "

(۸) بنام مدار الدولہ (؟) — "

(۹) بنام نواب منیر الدولہ (نواب رضا قلی خاں) — "

(۱۰) بنام خان علی شان (؟) — ۲۱ خطوط

(۱۱) بنام مولانا شاہ عبد الرسول بیجاپوری انباوی — ایک خط

اس کے علاوہ دوستوں، عزیزوں، اور اہلِ خاندان (مولانا محمد عرف شیخ الاسلام، اور غلام محی الدین گریاں وغیرہ) کے نام خطوط شامل ہیں۔ اس مجموعہ کا واحد ناقص الطرفین نسخہ مؤلف کے قلم سے ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔

۷۔ سراپا۔ محبوب کے خط و خال، لب و رخسار، اور سر سے پیر تک تمام اعضاء کی تعریف اور محاسن پر ہندوستان اور ایران کے نامور فارسی اساتذہ کے منتخب اشعار کا دلآویز مجموعہ۔ اس مجموعہ میں تقریباً چالیس عنوانات کے تحت اشعار جمع کیے گئے ہیں۔ اور اس میں موقعہ بہ موقعہ مولانا محمد ساجد عاشق کے شعر بھی شامل ہیں اور ان کے پہلو بہ پہلو تھانہ بھون، جھنجھانہ اور دہلی کے چند غیر معروف شعراء کا کلام بھی موجود ہے۔ اس سراپا کا واحد نسخہ جو مجموعہ مکتوبات کی طرح ناقص الطرفین مگر مؤلف کے قلم سے ہمارے ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔

۸۔ کتاب معالجات۔ مؤلف تذکرہ کاملان رام پور نے مولانا محمد ساجد کے تذکرہ میں لکھا ہے:

> "ان کی کتاب معالجات سے صاحب فصول فیض اللہ خانی نے مضامین اخذ کئے ہیں"[۱]

راقم سطور کو اس کتاب کی نسبت کبھی معلومات نہیں ہیں۔

۱؎ کاملان رام پور، احمد علی خاں شوق ص ۱۴۷ (دہلی ۱۹۲۹ء)

۹۔ **بیاض (علمی و فقہی)** اس بیاض کا اکثر حصہ فقہ کی مستند کتابوں سے اہم معاملات و مسائل کے متعلق فقہی جزئیات کے اقتباسات پر مشتمل ہے۔ جزئیات فقہ کے قدم بہ قدم تفسیر قرآن کے نکات، احادیث کے معارف و تحقیقات، سلوک کے مباحث، عروض کی فنی تفصیلات کے علاوہ متفرق علمی افادات بھی موجود ہیں۔ اقتباسات و حوالجات کے علاوہ تین رسائل بھی اس میں نقل کیے گئے ہیں۔

(الف) احتساب کے فرائض اور ذمہ داریوں کی تفصیلات (عربی) نام کتاب و مؤلف ندارد۔

(ب) فرائض (میراث) پر ایک رسالہ۔ اس رسالہ پر مولانا ساجد کے قلم سے حواشی بھی ہیں۔

(ج) تحقیق مذاہب متکلمین (فارسی) تالیف شیخ ابوالنصیر پیر محمد بن نصب شاہ ادہمی بہار کا۔

یہ بیاض بہت ضخیم ہوگی مگر اس وقت اس کے تقریباً ڈیڑھ سو ورق ۲۱۱ سے ورق ۳۶۰ تک، متفرق اوراق کی شکل میں ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

۱۰۔ **بیاض متفرقات**۔ یہ بیاض سائز، و ترتیب میں پہلی بیاض سے بہت مختلف ہے، اس بیاض میں ذاتی یادداشتیں، مجرب و آزمودہ نسخے، تعویذات و عملیات، کچھ اشعار اور تاریخیں لکھی ہوئی ہیں۔ اس بیاض کے ۴۲ ورق ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہیں، مگر ان اوراق پر نمبر شمار نہیں ہیں اس لئے یہ قیاس بھی ممکن نہیں کہ یہ بیاض کے کس حصے سے متعلق ہیں[1]

---

[1] اس بیاض میں مولانا محمد ساجد اور ان کے صاحبزادگان کی تحریرات سے مختلف قلم سے ایک دعا، ایک عمل، اور ایک نسخہ لکھا ہوا ہے۔ ان تحریرات میں سے ایک تحریر پر "از نور محمد پیر زادہ جھنجھانہ" ایک مقام پر صرف نور محمد، اور آخری تحریر پر کاتب کا نام نہیں ہے۔ اس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ شاید یہ تحریرات حضرت میانجیو نور محمد جھنجھانوی (م ۱۲۵۹ھ) کے قلم سے ہیں، کیونکہ حضرت میانجیو کی والدہ محترمہ بی بی نجابت النساء حکیم صدرالدین کی صاحبزادی، اور مفتی الٰہی بخش کی عم زاد تھیں، اس لئے ممکن ہے یہ بیاض میانجیو کے مطالعہ میں رہی ہو۔

مولانا محمد ساجد نے ۱۲۰۸ھ میں جھنجھانہ میں وفات پائی۔ چار صاحبزادے غلام محی الدین گریاں، غلام نبی، غلام علی، شاہ خیر الدین اور تین صاحبزادیاں یادگار رکھیں۔ غلام محی الدین کی اولاد کا سلسلہ اس وقت تک چل رہا ہے۔

مولانا حکیم غلام محی الدین گریاں جھنجھانوی

مولانا حکیم غلام محی الدین گریاں کے حالات، اور تاریخ ولادت و وفات بھی نامعلوم ہے۔ شعراء کے تذکروں میں مولانا کا بہت مختصر تعارف ملتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ گریاں عالم فاضل، اور رشد و ہدایت سے آشنا تھے۔ میر محمد سرور لکھتے ہیں:۔

گریاں تخلص، غلام محی الدین خلف مولوی ساجد، کہ فاضل کامل بود، و بر اکثر علوم عالم، احوال فرزندش مفصلاً معلوم نیست، مقطع از تصنیفاتش بنظر رسیدہ ثبت نمودہ شد۔	گریاں، غلام محی الدین خلف مولوی ساجد جو فاضل کامل، اور اکثر علوم کے عالم تھے، ان کے فرزند کا مفصل حال معلوم نہیں ہے، ان کا لکھا ہوا ایک مقطع نظر سے گزرا، اور یہاں درج کیا گیا۔

گریاں کر ذکر کس سے ہے عنقا سے میرا یار
معشوق کا مکان ہے وہ لامکاں کر بس[1]

قدرت اللہ قاسم کا قول ہے:

گریاں، غلام محی الدین خاں، خلف مولوی ساجد مرحوم، کہ بحلیہ علم و حلم آراستہ، و بزیور صلح و	گریاں، غلام محی الدین خاں خلف مولوی ساجد مرحوم، جو علم و حلم کے کمالات سے مزین، اور رشد و ہدایت

---

[1] عمدۂ منتخبہ میر محمد سرور، مرتبہ ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی ص ۵۴۷ (دہلی ۱۹۶۱ء)

صلاح پیراستہ۔ ایں شعر از ان کا ہے :- کی خوبیوں سے آراستہ ہیں۔ یہ شعر است :

گریاں کروڑ کوس ہے عنقا سے بار آہ
اس شوخ کا مکان ہے وہ لامکاں کہ بس" [1]

گریاں کے نام "بخشی الممالک' امیر الامرا' نجف خاں بہادر فدوی محمد شاہ" کے فرمان (مکتوبہ ۹ ربیع الاول سنہ ۱۱۹۶ھ) سے معلوم ہوتا ہے کہ گریاں بھی نواب سعد اللہ خاں روہیلہ کے رفیق و مصاحب تھے' اس فرمان کے ذریعہ غلام محی الدین بہادر کو جھنجھانہ کی جاگیر کی آمدنی سے "باون ہزار ایک سو ستر دام" دینے کا حکم دیا گیا ہے ۔ یہ پروانہ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے ۔

مولانا غلام محی الدین گریاں کے صرف ایک صاحبزادے حکیم کریم بخش تھے ' حکیم کریم بخش کے دو صاحبزادے ہوئے غلام حسن اور غلام حسین ۔ ان تینوں کے متعلق کوئی معلومات دستیاب نہیں ہیں ۔ غلام حسین کے دو صاحبزادے تھے حضرت مولانا محمد اسمٰعیل اور مولوی محمد اسحٰق ۔ تذکرۃ الرشید [2] میں مولانا اسمٰعیل کے والد ماجد کا نام حسین بخش لکھا ہوا ہے جو صحیح نہیں ہے ۔

حضرت مولانا محمد اسمٰعیل جھنجھانوی کاندھلوی

مولانا محمد اسمٰعیل کی ولادت وطفولیت اور تعلیم کی نسبت معلومات دستیاب نہیں ہیں ۔ نواب وزیر الدولہ وزیر محمد خاں والی ٹونک سے تلمذ حدیث کی اطلاع امیر شاہ خاں خورجوی کی روایت سے ملتی ہے ۔

---

[1] مجموعۂ نغز، قدرت اللہ قاسم ۔ مرتبہ پروفیسر محمود خاں شیرانی ص ۱۳۷ جلد دوم (دہلی ۱۹۳۳ء)
[2] تذکرۃ الرشید، مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص ۱۹۸ جلد اول (طبع اول، ساڈھورہ)

امیر شاہ کا قول ہے۔

"مولوی اسمٰعیل صاحب حدیث میں نواب وزیرالدولہ کے شاگرد تھے۔" [1]

اس تلمذ کی تفصیل اور خود نواب وزیرالدولہ کا سلسلہ سند بھی راقم سطور کو معلوم نہیں ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل علوم عقلیہ و نقلیہ میں کامل اور زہد و تقویٰ اور اتباع سنت میں یکتائے روزگار تھے۔ مولانا کے معاصر و ہم وطن عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی لکھتے ہیں۔

"جناب حاجی مولوی اسمٰعیل صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ از علمائے نامدار و مشائخ کبار حضرت جھنجھانہ است، در علم و عمل یکتائے زمانہ، تقویٰ و طہارت غاشیہ بردار درگاہ اوست، ورع و ریاضت آفتابہ بردار عالی پایگاہ اوست، عالم کامل و عابد فاضل شب بیدار، زندہ درون والا درجہ تقدس مشحون است، انوار حب ایزدی در خزینۂ سینہ او مکنون، از زیارت مدینہ و حج کعبہ شرف کونین اندوختہ، و از برکات دیگر زیارات شمع بہروزی در انجمن ذات ستودہ صفات خود افروختہ، در خیابان گیتی آزاد با ہمہ یگانہ و از ہمہ بیگانہ می زید، دل بستگی غیر از خالق اکبر از

جناب حاجی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب، اللہ تعالیٰ ان کو سلامت رکھے، جھنجھانہ شریف کے نامور علماء اور بڑے مشائخ میں ہیں، علم و عمل میں یکتائے زمانہ، اور تقویٰ و طہارت ان کے مطیع اور فرمانبردار ہیں، اور پرہیزگاری و نیکی ہر وقت ان کے پاس حاضر و موجود رہتے ہیں، عالم کامل عابد شب بیدار، ان کا اندرون نیکوکاری سے لبریز، اور حق تعالیٰ کی محبت کا نور ان کے سینہ میں چھپا ہوا ہے، زیارت مدینہ اور حج کعبہ کا شرف حاصل کیا ہے، اور دوسری زیارات کی برکات کی شمع اپنی ذات نیک صفات کے ذریعہ محفل میں روشن کئے ہوئے ہیں، دنیا کے جھگڑوں سے آزاد، سب کے دوست، مگر سب سے جدا

---

[1] ارواح ثلٰثہ مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی ص ۳۶۵ (تھانہ بھون)

کسے ندارد"۔ [1]

زندگی گزارتے ہیں، اور خدائے برتر کے علاوہ کسی سے دل کو وابستہ نہیں رکھتے۔

مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے اجازت و خلافت

مولانا محمد اسمٰعیل، حضرت مولانا مظفر حسین سے بیعت تھے، اور مولانا مظفر حسین کے فیضِ صحبت سے مولانا محمد اسمٰعیل میں تواضع و انکساری، اتباعِ سنّت کا ذوق، بدعات اور رسُومات کی بیخ کنی، اور خدمتِ خلق کے جذبات موجزن ہوئے اور مسلمانوں کی اصلاح اور نماز روزہ سے غافل افراد میں تبلیغ کا شوق پیدا ہوا [2] میوات کے نوجوانوں کے ذریعہ اس ذوق کی آبیاری ہوئی، اور حضرتِ مولانا محمد الیاس کے توسط سے یہ دولت عام ہوئی، اور اس وقت پوری دنیا میں تبلیغی تحریک کے نام سے یہ دینی جدوجہد جاری ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل کے حالات میں ارواحِ ثلٰثہ کی ایک روایت [3] کے حوالہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ مولانا نے "حضرت مولانا رشید احمد محدث گنگوہی سے طریقِ سلوک کے حصُول کی خواہش کی، حضرت نے فرمایا، آپ کو اس کی حاجت نہیں"۔ اس روایت سے شبہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد اسمٰعیل سفرِ سلوک مکمل نہیں کر سکے تھے۔ مولانا کی رُوحانی کیفیات کی وجہ سے حضرت محدث گنگوہی نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کو مزید تعلیم کی ضرورت نہیں، مگر یہ روایت

---

[1] سفینۂ رحمانی، حکیم عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی ص۱۰ (لکھنؤ ۱۳۰۵ھ)

[2] مولانا مظفر حسین کی عادت تھی کہ اپنا کھانا ساتھ لے کر تین چار روز کے لئے دیہات اور مختلف قصبات کی مسجدوں میں قیام کرتے، لوگوں کو نماز اور دینی امور سکھاتے اور عمل کی ترغیب دیتے تھے۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو تذکرۃ الخلیل مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص۹۰ تا ۱۰۲ (سہارن پور ۱۳۹۵ھ) ارواحِ ثلٰثہ ص۱۹۵-۱۹۲ اور مشائخ کاندھلہ۔

[3] ارواحِ ثلٰثہ مرتبہ مولانا ظہور الحسن کسولوی ص۲۸۲-۲۸۳، نیز ملاحظہ ہو حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی ص۴۳ (لکھنؤ ۱۳۹۹ھ)

صحیح نہیں ہے۔ شاید اس روایت میں امیر شاہ خاں کو سہو ہوا، حضرت مولانا محمد اسمٰعیل نے کچھ اور فرمایا ہوگا جس کو خاں صاحب "طریق سلوک کے حصول کی خواہش" سمجھے۔

مولانا محمد اسمٰعیل تو خود صاحب سلسلہ شیخ تھے، مولانا کو مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے طریق نقشبندیہ میں اجازت و خلافت حاصل تھی، اور مولانا مظفر حسین کی وفات کے بعد مولانا اسمٰعیل کو حضرت مولانا کا جانشین منتخب کیا گیا تھا، اور سب عوام و خواص مولانا اسمٰعیل کو جانشین مولانا مظفر حسین کی حیثیت سے جانتے تھے۔ مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند کی رُوداد ۱۳۱۳ھ میں، مولانا اسمٰعیل کو جانشین مولانا مظفر حسین لکھا ہے، مرتب رو داد لکھتے ہیں۔

"۲۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۱۳ھ کو بہ تشریف آوری حضرت گنگوہی، مولینا اسمٰعیل صاحب کاندھلوی جانشین حضرت مولانا مظفر حسین صاحب کاندھلوی و نواب چھتاری، امور ذیل مدرسہ میں قرار پائے"۔ [1]

اور سید احمد ولی اللٰہی کے قول سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، وہ نظام الدین (دہلی) کے آثار و مقابر، اور مرزا غالب کے مدفن کی نشان دہی کے بعد لکھتے ہیں۔

" اس سے آگے مشرق کی جانب ایک مسجد میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب جھنجھانوی نقش بندی علیہ الرحمۃ کا مزار ہے، آپ کا وطن قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفر نگر ہے۔ قصبہ کاندھلہ میں بھی مکان ہے، اس لئے آپ کہیں جھنجھانوی مشہور ہیں، کہیں کاندھلوی۔ نہایت کامل بالشرع گزرے ہیں، مولانا مظفر حسین صاحب نقش بندی علیہ الرحمۃ کاندھلوی کے خلیفہ تھے، مدت سے اس مسجد میں مقیم تھے"۔ [2]

---

[1] وہ امور یہ ہیں: تجویز ممبران ذیل، مولانا احمد حسن امروہوی، نواب مولوی محی الدین خاں مہتمم مدرسہ مرادآباد مولوی عبدالحق وکیل رتلام، شاہ منظر حسن گنگوہی، حکیم اسمٰعیل صاحب گنگوہی، شاہ ابوسعید انبٹھوی نیز مولانا حافظ احمد صاحب کا تقرر بعہدہ اہتمام قرار پایا۔ (رو داد ۱۳۱۳ھ) نقل از بیاض کبیر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا۔

[2] یادگار دہلی، سید احمد ولی اللٰہی ص ۳۰۷-۳۰۸ (مولفہ ۱۹۰۳ء)

مولانا محمد اسمٰعیل کے متعلق عبدالرحمٰن حیرت جھنجھانوی کے یہ الفاظ گزر چکے ہیں کہ "از علمائے نامدار و مشائخ کبار حضرت جھنجھانہ است"۔ اور مولانا عاشق الٰہی میرٹھی فرماتے ہیں کہ "مشہور شیخ تھے"[1] مولانا کے مریدین و متوسلین کا سواد دہلی اور مظفر نگر وغیرہ میں وسیع حلقہ تھا اور مولانا نے متعدد اہل دل کو خلافت و اجازت سے بھی نوازا۔ ایک ممتاز مجاز بیعت مولانا محی الدین عظیم آبادی عرف مولانا کملی والے تھے[2] مولانا محی الدین نے حافظ مشیت اللہ (موضع نر پڑا مظفر نگر) کو اجازت دی۔ موخر الذکر کا بھی چار پانچ سال گزرے انتقال ہو چکا ہے۔

مولانا سے حضرت گنگوہی کے مراسم، اور حضرت کا ایک خط

مولانا کے حضرت محدث گنگوہی سے بہت قریب کے مراسم تھے، مولانا کے صاحبزادگان مولانا محمد میاں اور مولانا محمد یحییٰ نے حضرت گنگوہی سے حدیث کا درس لیا تھا، جب مولانا کی خواہش اور اصرار پر مولانا محمد یحییٰ کو حدیث پڑھانے کی منظوری عطا فرمائی، اس وقت حضرت گنگوہی نے مولانا کو جو گرامی نامہ تحریر فرمایا تھا، وہ سطور ذیل میں پہلی بار منظر عام پر آ رہا ہے۔

"از بندہ رشید احمد گنگوہی عفی عنہ، بعد سلام مسنون، مطالعہ فرمایند آپ کا عنایت نامہ آیا، حسب حکم آپ کے مولوی محمد صدیق کو دہلی جانے کا ہی مشورہ دیا جائے گا، آپ مطمئن رہیں۔

درباب مولوی محمد یحییٰ جیسے آپ کی رضا ہو، بندہ کو عذر نہیں، اگر قلیل کثیر کا

---

[1] تذکرۃ الرشید ص۱۱ جلد اوّل (طبع اوّل ساڈھورہ)

[2] مولانا محی الدین عظیم آباد (پٹنہ) کے رہنے والے تھے، دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ مولانا محمد میاں صاحبزادہ مولانا محمد اسمٰعیل کے ہم درس رہے۔ زہد و تقویٰ اور اتباع سنت میں سلف کا نمونہ تھے بہت موثر و دل نشین سادہ وعظ کہتے تھے۔ حضرت مولانا محمد الیاس جب کاندھلہ تشریف لاتے تو دیر تک مولانا محی الدین کے پاس بیٹھے تھے۔ مولانا محی الدین کا قیام کبھی پانی پت میں اور کبھی کاندھلہ میں رہتا تھا، ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۹ھ / ۲۴ جنوری ۱۹۴۱ء کو پانی پت میں انتقال ہوا۔

خیال نہ لاویں نفس شرکت منظور ہے تو بندہ کی طرف سے اجازت ہے تشریف لاویں، اور ایسی حالت میں جس قدر بندہ کو صرفِ وقت کرنا منظور ہے وہ صرف کرتا ہوں، اس سے زیادہ سے بہرحال عاجز ہوں۔"

فقط والسلام۔[1]

مرزا الٰہی بخش کی ملازمت اور مدرسہ کاشف العلوم کی ابتداء

مولانا محمد اسمٰعیل کی ابتدائی زندگی کی کیا مصروفیات و مشغولیات اور کیا معمولات تھے اس کے متعلق کوئی معلومات نہیں ہیں، مولانا ~~۱۸۵۵ء~~/۱۲۷۱ھ میں اپنے بھائی محمد اسحٰق کے ہمراہ دہلی آ گئے تھے۔ دہلی میں بہادر شاہ ظفر کے سمدھی مرزا الٰہی بخش (ہدایت افزا بہادر م ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء) کے بچوں کی تعلیم کے لئے بہت معمولی تنخواہ پر ملازم ہوئے۔

دہلی میں ملازمت کے بعد مولانا کے پہلے شاگرد مرزا الٰہی بخش کے بیٹے مرزا سلیمان جاہ اور مرزا ثریا جاہ تھے، پھر مرزا الٰہی بخش بھی مولانا کے تلامذہ میں شامل ہو گئے تھے اور مرزا الٰہی بخش نے بھی مولانا سے قرآن شریف پڑھا۔ مولانا کے شاگردوں کی تعداد میں ۵۷ء کے بعد بہت تیزی سے اضافہ ہوا۔ خانوادۂ تیموری کے خانماں برباد شہزادے جن کو گردشِ زمانہ قلعۂ معلّٰی سے نظام الدین کے ویرانے میں لے آئی تھی، تعلیم حاصل کرنے کے لئے مولانا کی خدمت میں حاضر ہونے لگے تھے، ان شہزادوں نے ناز و نعمت کے گہوارے میں آنکھیں کھولیں تھیں، مگر اس وقت نانِ شبینہ کے محتاج اور حسرت و بےکسی کی تصویر تھے۔ مولانا ان کو تعلیم دیتے تھے اور حتی المقدور ان کی مدد فرماتے تھے، حضرت مولانا کے آخری دور میں دس بارہ میواتی طالب علم بھی رہتے تھے، ان کے لئے مصارف اور کھانے کا انتظام مولانا خود فرماتے تھے۔

---

[1] خط کے لفافہ پر صرف ۵ رشوال لکھی ہوئی ہے سنہ نہیں ہے، لفافہ پر گنگوہ کے ڈاک خانہ کی مہر ۱۲ر اپریل ۱۸۹۴ء (۱۳۱۱ھ) کی ثبت ہے۔

——— "بیاضِ کبیر حضرت شیخ الحدیث" ص۳۴ (فوٹو اسٹیٹ کاپی)

چند طلباء کا کھانا مرزا الٰہی بخش کے یہاں سے آتا تھا، جو مولانا کی وفات کے بعد بھی جاری رہا۔

ملازمت کے ابتدائی دور میں مولانا کا مرزا الٰہی بخش کے یہاں کچھ خاص احترام نہیں تھا مگر انقلاب ۱۸۵۷ء کے بعد جب مرزا جی پریشانیوں میں مبتلا ہوئے[۱] اور اس سے نجات پانے کے لئے دربدر پھرے تو ایک عارف کامل نے مولانا کی طرف رہنمائی فرمائی۔ مرزا جی مولٰینا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کو مولانا کے مستجاب الدعوات ہونے کا ذاتی تجربہ ہوا، تو مولانا کے مرتبہ و مقام کو پہچانا، اور مولانا کا خاص احترام کرنے لگے[۲]۔

مولانا کی تنخواہ پانچ روپے مہینہ سے شروع ہوئی تھی جو ترقی کرتے ہوئے آخر میں پندرہ روپے تک پہونچ گئی تھی، خوراک کے لئے چار روپے گیارہ آنہ کا مستقل وظیفہ تھا۔ تمام عمر اسی تنخواہ میں بسر فرمائی۔ نواب وردجانہ نے بہت اصرار سے تنخواہ سو روپے ماہوار پر بلانا چاہا، اگرچہ کہہ کر انکار فرمایا کہ جو مل رہا ہے گزارے کو وہ بھی کافی ہے[۳]۔

مدرسہ کی ابتدا قرآن شریف کی تعلیم سے ہوئی تھی مگر مولانا محمد اسمٰعیل کی سعی اور جانفشانی سے چند سال کے قلیل عرصہ میں اعلیٰ درسی کتابوں کے اسباق بھی شروع ہو گئے تھے۔ خواجہ حسن نظامی اور مولوی یٰسین علی نظامی نے ابتدائی کتابوں سے تفسیر جلالین اور مشکوٰۃ المصابیح تک تمام کتابیں مولانا اور ان کے صاحبزادگان سے پڑھیں۔ مولوی یٰسین علی نظامی اپنی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"تمام ابتدائی کتابیں میزان الصرف سے لے کر شرح وقایہ اور مشکوٰۃ شریف اور قطبی تک حضرت مولانا مولوی محمد اسمٰعیل صاحب جھنجھانوی اور ان

---

[۱] یہ پریشانی اس وقت پیش آئی ہوگی، جب انگریزوں نے مرزا الٰہی بخش کی دہلی سے جلاوطنی کے احکام جاری کر دیے تھے، بعد میں یہ احکامات واپس لے لئے گئے تھے۔ ملاحظہ ہو ۱۸۵۷ء کا تاریخی روزنامچہ مرتبہ پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۴۹ (دہلی ۱۹۵۸ء)

[۲] ملاحظہ فرمایئے: مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت، ص ۳۶ حالات مشائخ کاندھلہ ص ۲۱

[۳] تذکرۃ الرشید ص ۱۹۷ جلد اوّل۔

کے دونوں صاحبزادوں کی خدمت میں تمام کیں۔ [1]

اور خواجہ حسن نظامی کا قول ہے:۔

"میرے قدیمی استاد حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی کاندھلہ کے رہنے والے تھے، جن سے میں نے ابتدائی کتابیں مشکوٰۃ شریف، اور جلالین تک پڑھی تھیں، اور جن کا مزار بھی میرے یہاں درگاہ کے قریب ہے۔" [2]

بنگلہ والی مسجد کا مدرسہ خادم تاریخ وادب

اس مدرسہ کی علمی و دینی خدمات بلاشبہ ہندوستان کی ملت اسلامیہ کے لئے وجہ نازش و افتخار، اور ایک مستقل مقالہ کا موضوع ہیں، مذہبی اور دینی خدمات کے علاوہ اس مدرسہ کا ایک بہت بڑا کارنامہ تاریخ، اور اردو زبان وادب کو اس کا سدا بہار اور ناقابل فراموش تحفہ ۱۸۵۷ء کی زخم خوردہ لٹی پٹی بے کس و بے آسرا بیگمات، شہزادیوں اور شہزادوں کے دل سوز و دلا دیز قصے اور خواجہ حسن نظامی کا قلم ہے۔

اس مدرسہ میں جو تیموری شہزادے پڑھنے کے لیے آتے تھے، ان میں سے ہر شہزادے کی بپتا، ایک نیا فسانہ، نئی تاریخ اور سراپا الم داستان ہوتی۔ خواجہ حسن نظامی نے جو اسی مدرسہ کے طالب علم تھے، ان شہزادوں سے ان کی آپ بیتی سنی، اور ان کی زبان بھی سیکھی، اور پھر ان واقعات اور اس زبان کے امتزاج سے ۱۸۵۷ء کے المیہ پر متعدد کتابیں لکھیں۔ خواجہ صاحب کی زبان اور زبان پر اس مدرسہ کے گہرے اثرات کا ملا واحدی نے بھی اعتراف کیا ہے۔

واحدی صاحب لکھتے ہیں:۔

"ان (مرزا الٰہی بخش) کے بعض لواحقین مستقلاً بستی حضرت نظام الدین میں

---

[1] سیرت نظامی (سوانح حضرت نظام الدین اولیاء) مولوی یٰسین علی نظامی صفحہ ۳۱ (دہلی ۱۳۳۶ھ)

[2] ہفتہ وار روزنامچہ، ایڈیٹر خواجہ حسن نظامی، ۲۴ دسمبر ۱۹۳۰ء، صفحہ ۳ نیز ملاحظہ ہو سوانح خواجہ حسن نظامی، ملا واحدی صفحہ ۲۹

رہنے لگے تھے۔ ان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کاندھلہ ضلع مظفر نگر کے مولانا محمد اسمٰعیل فرماتے تھے، خواجہ صاحب کو بھی مولانا کے پاس بٹھادیا گیا، خواجہ صاحب کی زبان کو جو آپ اتنا لوچدار پاتے ہیں، یہ ہم سبق اور ہم مکتب شہزادوں کی صحبت کا نتیجہ ہے۔

زبان قلعہ معلّیٰ سے نکل کر بستی حضرت نظام الدین جا بسی تھی، ہم سبقوں اور ہم مکتبوں کے ساتھ کوچہ چیلان دہلی کے ہزار ہا پریشان حال شہزادوں سے بھی ملنے جلنے کا موقع ملا کرتا تھا، اس نے ان کے دل میں شہزادوں کی ہم دردی کوٹ کوٹ کر بھر دی ـــــ دکھا ہوا دل شہزادوں کے دکھ سے تڑپ اٹھا، اور خواجہ صاحب کے قلم سے بارہ تیرہ کتابیں شہزادوں کے متعلق لکھوا گیا۔"[۱]

اس مدرسہ میں زبان کے معاملہ میں کس قدر احتیاط، اور تربیت و اصلاح پر کتنی نظر تھی، اس کا علم جناب ابوالخیر مودودی کے اس بیان سے ہوتا ہے کہ:۔

"ان دنوں مولوی الیاس صاحب کاندھلوی کے والد صاحب ایک مسجد میں بچوں کو قرآن حکیم پڑھایا کرتے تھے، قرآن کی تعلیم دینے کا وہ کوئی معاوضہ نہیں لیا کرتے تھے اور اپنا گزارا ٹوپیاں بُن کر کرتے تھے، جب مجھے داخل کیا گیا تو وہاں ستر لڑکے زیر تعلیم تھے، مولوی صاحب سر جھکائے ٹوپیاں بنتے رہتے اور قرآن پڑھاتے جاتے میری شکل انھوں نے ہفتہ بھر بعد دیکھی، چونک کر دوبارہ دیکھی، اور بھانپ گئے کہ یہ بچہ شہری ہے۔ بڑی بی کو بُلا کر ہدایت کی کہ اس بچہ کو یہاں مت لاؤ۔ اس کی زبان اور عادات میں فرق آجائے گا، میں گھر آکر پڑھا دیا کروں گا۔"[۲]

---

[۱] سوانح حضرت خواجہ حسن نظامی۔ ملا واحدی ص۳۵

[۲] انٹرویو جناب ابوالخیر مودودی، آتش فشاں لاہور (سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نمبر) نومبر ۱۹۷۹ء ص۱۱ ابوالخیر صاحب کا یہ انٹرویو مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کے متعلق خاص شماروں میں اہتمام سے چھپا ہے۔ اور سب میں یہی روایت نقل کی گئی ہے۔ اس اطلاع میں ابوالخیر صاحب سے سہو ہوا (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

مگر اس روایت کی یہ اطلاع صحیح نہیں ہے کہ اس وقت مولانا الیاس کے والد صاحب پڑھاتے تھے۔ کیونکہ مودودی صاحب کے والد ماجد جناب سید احمد حسن ۱۳۲۲ھ / ۱۹۰۴ء میں اورنگ آباد سے ترک سکونت کر کے دہلی آئے تھے، اور اس سے کئی سال پہلے ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۸ء میں مولانا محمد اسمٰعیل کی وفات ہو چکی تھی۔ اور مودودی برادران کے اس مدرسہ میں داخلہ کے وقت ۱۳۲۲ھ میں مولانا محمد میاں پڑھاتے تھے، اور ابوالخیر صاحب کے بیان کی آخری سطور سے ہمارے اس قول کی تائید ہوتی ہے، جس میں ابوالخیر صاحب نے کہا ہے کہ "ایک مرتبہ ان کی جگہ ان کے چھوٹے بھائی پڑھانے آگئے"۔ تاہم اس روایت سے یہ ضرور معلوم ہو رہا ہے کہ مولانا کے اخلاف نے بھی زبان کی روایات، اور اس کے آداب کو کس طرح محفوظ رکھا ہے۔

مآثر و مکتوبات

حضرت مولانا کی پوری زندگی زندہ تصنیفات پر محنت میں صرف ہوئی، اس لئے قلمی تصنیفات کی طرف توجہ نہیں فرما سکے۔ راقم سطور کی معلومات میں مولانا کی واحد مطبوعہ تحریر "یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" کا ورد ناجائز ہونے کا فتویٰ ہے، یہ فتویٰ جناب ہدایت اللہ خاں مرادآبادی کے نام ایک خط کی صورت میں ہے، اور اس کا متن حسب ذیل ہے :-

"از فقیر محمد اسمٰعیل، بعد السلام علیکم ورحمۃ اللہ، آنکہ آپ کے چند عنایت نامہ بطلب استفتا، در باب استفسار یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ آئے مفتخر فرمایا، اوّل تو میں عدم تحریر جواب کی معافی مانگتا ہوں، بعد اس کے عذر اور سبب دیر کا بیان کرتا ہوں، وہ یہ ہے کہ میں نے آپ کا خط دہلی برخوردار کے پاس بھیج دیا تھا، اس کا جواب لکھا کر مولوی محمد حسین کے پاس مہر کے لئے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) جناب غازی محمود (ادارہ تحقیقات اسلامی۔ اسلام آباد، پاکستان) نے راقم سطور سے نقل کیا کہ میں نے یہ روایت خود ابوالخیر مودودی صاحب سے اسی طرح سُنی ہے۔

لے گیا، وہ کہیں رکھ کر بھول گئے، وہ نہ ملا بہت بار طلب کیا، وعدہ تلاش کرنے کا ہوا، پھر ظہور میں نہ آیا۔ اس عرصہ میں آپ کے کئی خط آئے جب اس کے ملنے سے مایوسی ہوئی تب یہ کہا گیا کہ لکھواؤ۔ پھر لکھا گیا، اور دو تین مہریں ہو کر میرے پاس آیا، لیکن وہ بہ نسبت مطابقت سوال مجھ کو پسند نہیں۔ لہٰذا ترسیل میں تاخیر ہوئی، اور اب ایک استفتا، اس وظیفے کے جواز میں دیکھنے میں آیا اور سنا ہے کہ اس کا رد بھی چھپ رہا ہے، سو میں اس کا منتظر ہوں، اگر وہ اچھا ہو تو وہی بھیج دوں، ورنہ جو میں سمجھ رہا ہوں وہ تو مجمل یہ ہے کہ ہرگز اس وظیفہ کا پڑھنا درست نہیں ہے اور اس کے پڑھنے والے کے حق میں قیل یکفر درمختار میں لکھا ہے۔ اگر خوانندہ بیان کرے کہ میں حاضر و ناظر جان کر نہیں پڑھتا۔ اگر سچا ہے تب بھی خاطی ہے کیونکہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دع مایریبك الی مالایریبك' اور فرمایا۔ اتقوا مواضع التھمۃ اور ایسے شخص کی امامت بھی بہتر نہیں، اور اگر حاضر و ناظر جان کر پڑھے تو ہرگز جائز نہیں۔ فقط [1]

مولانا کا ایک غیر مطبوعہ مکتوب بنام مولانا ریاض الحسن محمد سلیمان کاندھلوی (مکتوبہ ۲ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۲ھ / ۲۰ فروری سنہ ۱۸۸۵ء) ہمارے ذخیرہ مکتوبات میں موجود ہے۔ اس مکتوب کا عکس پیش نظر اشاعت میں شامل ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل اور ان کے اخلاف کا کتابوں کی اشاعت کا ذوق

مولانا کی فرمائش و ہدایت پر مولانا کے بھتیجے مولوی محمد یعقوب جھنجھانوی [2] نے سنہ ۱۳۰۲ھ

---

[1] رسالہ عدم جواز یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ، مرتبہ ہدایت اللہ خاں ص ۱۰ (مراد آباد ۱۸۹۳ء)

[2] مولوی محمد یعقوب، مولانا کے حقیقی بھتیجے اور مولانا کے شاگرد تھے، مولوی یعقوب 'گلی اڈان' محلہ بہادری دہلی میں مقیم تھے، اسی گلی اڈان سے محرم سنہ ۱۳۲۱ھ / اپریل سنہ ۱۹۰۳ء میں ایک ماہنامہ (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

میں رسالہ جہادیہ (جہاد بالنفس و شیطان تالیف حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی) شائع کرایا تھا،[1] اس مختصر مگر مفید و بابرکت کتاب کی اشاعت سے نشر و طباعت کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا وہ ایک صدی گزر جانے کے باوجود اس وقت تک جاری ہے۔

مولانا کے نامور اخلاف کو اسلامی کتابوں کی نشر و طباعت سے نہایت دلچسپی اور گہرا شغف رہا، مولانا کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد میاں کی چھپوائی ہوئی ایک کتاب "تفسیر پارہ تبارک الذی" ہمارے ذخیرہ کتب میں موجود ہے۔ افسوس ہے کہ اس اشاعت پر مؤلف کا نام اور سنہ طباعت مذکور نہیں ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) رسالہ کاشف العلوم شائع ہونا شروع ہوا۔ اس کے مرتب و ایڈیٹر کا نام بھی محمد یعقوب ہے مگر وہ مرزا محمد یعقوب بیگ ہیں، خیال ہوتا ہے کہ شاید دونوں ایک ہی ہیں، مگر مرزا اور بیگ کا لاحقہ کیوں ہے؟

ایک اور سوال جو توجہ طلب ہے یہ ہے کہ ماہنامہ کاشف العلوم، اور مدرسہ کاشف العلوم کے ناموں میں یکسانیت کیوں ہے، اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے جب یہ حقیقت معلوم ہو کر دونوں نام ایک ہی زمانہ میں رکھے گئے ہیں۔؟

ماہنامہ کاشف العلوم سنجیدہ و باوقار دینی رسالہ تھا، اس میں صرف اعلیٰ علمی کتابوں کے معیاری ترجمے شائع کئے جاتے تھے۔ الترغیب والترہیب امام منذری، تفسیر مظہری قاضی ثناء اللہ پانی پتی، رسائل الارکان علامہ عبد العلی بحر العلوم، اور اربعین امام غزالی کے ترجمے قسط وار شائع ہوئے، کلید مثنوی حکیم الامت مولانا تھانوی بھی اس میں شائع ہوئی۔ ماہنامہ کاشف العلوم کے ابتدائی چھ شمارے محرم تا جمادی الاخریٰ (جناب امداد صابری کی عنایت سے) نظر سے گزرے۔ رسالہ کے ادارہ سے دیگر مطبوعات کا بھی سلسلہ تھا۔ آخری تینوں شماروں میں ۳۳ کتابوں کا اشتہار شامل ہے۔ اس اشتہار میں مذکورہ کتابوں میں سے ایک کتاب رسالہ اصول حدیث حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (مطبوعہ ذی قعدہ ۱۳۲۱ھ) ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔ اس سنہ اشاعت سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس ادارہ نے رسالہ اصول حدیث کے ایک سے زائد ایڈیشن شائع کئے ہیں۔

[1] اس کا ایک نسخہ ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے، اور مولانا محمد یحییٰ کی شائع کی ہوئی اکثر کتابیں بھی ہمارے ذخیرہ میں ہیں۔

اور مولانا محمد یحیٰ نے گنگوہ میں دورۂ حدیث کی تکمیل کے فوراً بعد تجارتی کتب خانہ قائم کرلیا تھا جو کتب خانہ یحیوی کے نام سے اس وقت تک موجود ہے، اور نشر و اشاعت کا کام کررہا ہے۔ اس کتب خانہ کا خاص وصف جس میں کوئی اور تاجر و ناشر اس کا شریک نہیں ہے سلسلۂ عالیہ امدادیہ کے اکابر و علماء کی تصنیفات کی اشاعت ہے۔

اور مولانا محمد الیاس بھی اس سلسلے سے نامانوس نہیں تھے۔ مولانا الیاس نے بھی متعدد کتابچے، اشتہارات اور رسائل شائع کئے تھے یا شائع کرائے تھے۔ مولانا نے ۱۳۴۶ھ میں جبریہ تعلیم کے متعلق اہم علماء کے فتاویٰ شائع کرائے۔ اس رسالہ پر مولانا کی تمہید بھی ہے اور ایک سے زائد مرتبہ حالات تعلیم و تبلیغ مدرسہ کاشف العلوم واقع بستی حضرت نظام الدین دہلی، شائع ہوئے۔ مدرسہ کاشف العلوم کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۵ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ کے موقع پر جو رُوداد مرتب ہوئی تھی، وہ اسی وقت شائع ہوئی تھی، ہمارے ذخیرہ میں محفوظ ہے اور اس کے علاوہ بھی مدرسہ کی رُوداد چھپی ہے اور میوات میں تبلیغی کام کے ابتدائی دور میں اجتماعات کے لئے اشتہارات بھی شائع ہوتے رہے۔ ایسے دو اشتہار ہمارے ذخیرے میں محفوظ ہیں اور بھی متعدد اشتہار راقم کی نظر سے گزرے ہیں۔

ازدواج و اولاد

حضرت مولانا کی پہلی شادی جھنجھانہ میں ہوئی۔ اہلیہ محترمہ کا نام مریم تھا، ان سے صرف ایک صاحبزادہ مولانا محمد تولد ہوئے، مولانا محمد میاں کا نکاح مولانا ضیاء الحسن صادق کاندھلوی کی صاحبزادی آمنہ سے ہوا، ان سے ایک دختر تولد ہوئیں فاطمہ، ان کا نکاح مولانا علاء الحسن کاندھلوی ان کے صاحبزادے مولانا ظہیر الحسن کاندھلوی سے تھے۔

دوسرا نکاح مولانا ضیاء الحسن صادق کاندھلوی کی صاحبزادی صفیہ سے ہوا، ان سے دو صاحبزادے مولانا محمد یحییٰ اور مولانا محمد الیاس، اور دو صاحبزادیاں حمیرہ اور امت الحنان تولد ہوئیں۔ حمیرہ کا نکاح مولانا رضی الحسن کاندھلوی سے ہوا، مولانا رضی الحسن کے ایک صاحبزادے مولانا اکرام الحسن، اور دو صاحبزادیاں مسماۃ امۃ الودود، اور امت المعبود

تھیں۔ مولانا اکرام الحسن کے صاحبزادے مولانا انعام الحسن مدظلہ امیر جماعت تبلیغ بستی نظام الدین دہلی ہیں۔ امت الودود کی شادی حاجی محمد محسن کاندھلوی سے اور امت المعبود کی مولانا لطیف الرحمٰن کاندھلوی سے ہوئی۔

امت الحنان بنت مولانا اسمٰعیل کا نکاح مولانا فضل الرحمٰن (برادر مولانا اشفاق الرحمٰن) کاندھلوی سے ہوا، ایک لڑکی تولد ہوئی جو کم سنی میں فوت ہو گئی تھی۔

مولانا محمد یحیٰ کا پہلا نکاح امت اللہ بنت حافظ مولوی محمد یوسف کاندھلوی سے ہوا، لاولد فوت ہوئیں، دوسرا نکاح ان کی چھوٹی ہمشیر امت الحیٰ سے ہوا، ان سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا، اور ایک دختر عائشہ تولد ہوئیں، عائشہ کا نکاح مولوی محمد شعیب ابن مولوی حافظ محمد یونس کاندھلوی) سے ہوا۔ ایک صاحبزادی عابدہ (زوجہ مفتی محمد یحیٰ سہارن پوری) یادگار ہیں۔

مولانا محمد الیاس کا نکاح جویرہ بنت مولانا رؤف الحسن کاندھلوی سے ہوا۔ مولانا محمد یوسف اور ایک صاحبزادی عطیہ بیگم ہیں۔ مولانا محمد یوسف کا پہلا نکاح ذکیہ بنت شیخ الحدیث اور مولانا محمد زکریا سے ہوا۔ ان کی وفات کے بعد دوسرا نکاح حضرت شیخ الحدیث کی دوسری صاحبزادی سے ہوا۔ اوّل الذکر سے مولوی محمد ہارون تولد ہوئے، موخر الذکر کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اور عطیہ بیگم کا نکاح حضرت شیخ الحدیث سے ہوا، دو صاحبزادیاں صفیہ خدیجہ اور ایک صاحبزادہ مولوی محمد طلحٰہ ہیں۔

حضرت شیخ الحدیث کا پہلا نکاح امت المتین بنت مولانا رؤف الحسن کاندھلوی سے ہوا اور پانچ صاحبزادیاں یادگار چھوڑیں، ذکیہ (زوجہ اولیٰ مولانا محمد یوسف) ذاکرہ (زوجہ مولانا انعام الحسن مدظلہ)، شاکرہ (زوجہ مولوی حسن بن حاجی محمد محسن)، راشدہ (زوجہ مولوی سعید الرحمٰن بن مولانا لطیف الرحمٰن کاندھلوی، ان کی وفات کے بعد مولانا محمد یوسف سے نکاح ہوا)، شاہدہ (زوجہ مولوی حکیم محمد الیاس سہارن پوری)

وفات

مولانا محمد اسمٰعیل کو باؤلے کتے نے کاٹ لیا تھا، بہت دنوں کے بعد اس کا اثر ظاہر ہوا اور اسی مرض میں ۴ شوال ۱۳۱۵ھ/۲۶ فروری ۱۸۹۸ء کو کھجور والی مسجد نزد باڑہ بہرام خاں دہلی میں وفات ہوئی۔ جنازہ نظام الدین لایا گیا۔ جنازہ کے ساتھ چلنے والوں کا اتنا ہجوم تھا کہ اگرچہ جنازہ میں دونوں طرف بلّیاں بندھی ہوئی تھیں تاکہ لوگوں کو کاندھا دینے میں سہولت ہو، مگر اس کے باوجود بہت سے لوگوں کو دہلی سے نظام الدین تک (جو تقریباً ۴ میل ہے) کاندھا دینے کا موقع نہیں ملا۔[۱]

جس وقت مولانا کا وصال ہوا نوشاہ ابوالخیر مجددی نے اپنی خانقاہ کے بعض حاضرین سے فرمایا "دیکھو کسی نیک بندہ کی روح کو فرشتے لے جا رہے ہیں"۔ بعد میں معلوم ہوا کہ مولانا اسمٰعیل کا انتقال ہو گیا ہے۔[۲]

جنازہ کے ہجوم کی وجہ سے بار بار نماز پڑھی گئی، اور اس کی وجہ سے دفن میں بھی تاخیر ہوئی تو ایک صاحب کشف و ادراک بزرگ نے دیکھا کہ مولانا اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ مجھے جلدی رخصت کر دو، میں بہت شرمندہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کے ساتھ میرے انتظار میں ہیں۔[۳]

چونسٹھ کھمبہ کی تاریخی عمارت کے دروازے کے سامنے بنگلہ والی مسجد کی جنوبی سمت میں دفن ہوئے رحمہ اللہ رحمۃ واسعہ۔

۱؎ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت

۲؎ مقامات خیر۔ مولانا زید ابوالحسن فاروقی ص ۲۹۹ (دہلی ۱۹۷۵ء)

۳؎ مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

















ستمبر تا دسمبر ۱۹۸۲ء مطابق ذیقعدہ ۱۴۰۲ تا صفر ۱۴۰۳ھ

ماہنامہ الفرقان لکھنؤ

خصوصی اشاعت بیادگار

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ

مدیر اعلیٰ

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی

مرتب

خلیل الرحمن سجاد ندوی



سالانہ چندہ،
اس خصوصی اشاعت سے خریداری قبول کرنیوالوں کے لئے ۳۳/-

سالانہ چندہ
جنوری ۸۳ء یا اس کے بعد خریداری قبول کرنے والوں کے لئے ۲۰/-

پاکستان بیرونی ممالک کے حضرات اسکا لحاظ فرمائیں۔

اگر اس دائرہ میں سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے آپ کی خریداری ختم ہوگئی ہے براہ کرم آئندہ کیلئے چندہ ارسال فرمائیں یا خریداری کا ارادہ نہ ہو تو مطلع فرمائیں ورنہ اگلا شمارہ بصیغۂ وی پی روانہ کیا جائے گا۔ منیجر

دفتر ماہنامہ الفرقان ۳۱ نیا گاؤں مغربی نظیر آباد لکھنؤ

فہرست مضامین